ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

9

5 تا 11 ربیع الاوّل 1430ھ/3 تا 9 مارچ 2009ء


## جنگ جاری ہے

اسلام ایک ہمہ گیر تحریک کی صورت میں اٹھا اور انسانی معاشرت کے قدیم بندھنوں کو توڑتا، سیاسی ظلمتوں کو مٹاتا اور معاشی ناہمواریوں کو حل کرتا ہوا اس وقت کی انسانی دنیا پر چھا گیا۔ اسلام پیغام رحمت ہی نہیں بلکہ سراپا رحمت ہے۔ اس کا لانے والا رحمۃ للعالمین ﷺ ہے اور اس کی کتاب ہدایت انسانی کا کامل نمونہ۔ اس نے جاہلیت خالصہ، جاہلیت مشرکانہ اور جاہلیت راہبانہ کو مٹا کر اس کی جگہ پر ایک معقول، متوازن اور قابل عمل نمونہ دیا۔ کائنات انسانی میں آنے والے اس انقلاب نے ایک عرصے تک لوگوں کو مبہوت کیے رکھا۔ عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں اسلام مکمل غلبے کی صورت میں قائم رہا لیکن بعد میں جاہلیت نے اسلام کو مغلوب اور کمزور کرنے کے لیے مختلف رنگوں میں اس پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ اسلام اور جاہلیت کی یہ جنگ خلافت راشدہ کے آخری دور سے لے کر اب تک جاری ہے۔

اقبال اور احیائے دین

خالد علوی

## اس شمارے میں


زرداری کا جمہوریت پر خودکش حملہ

وکلا تحریک: امید کی کرن

حضور اکرم ﷺ کا انقلاب اور انسانی مساوات

نبی کریم ﷺ بحیثیت قاضی و منصف

حضرت محمد ﷺ غیروں کی نظر میں

میاں صاحب زیادتی کر رہے ہیں

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

ڈاکٹر اسرار احمد

# سورۃ الاعراف

(آیات: 73 تا 79)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ
فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن
سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ
اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ
كَافِرُونَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي
دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ﴿٧٩﴾﴾

”اور قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ (تو) صالح نے کہا اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے۔ (یعنی) یہی اللہ کی اُونٹنی تمہارے لیے معجزہ ہے۔ تو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اُسے بُری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ عذاب الیم تمہیں پکڑ لے گا۔ اور یاد تو کرو جب اُس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تو اُن کی قوم میں سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے غریب لوگوں سے اُن میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالحؑ اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں اُس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں۔ تو (سردارانِ) مغرور کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کو نہیں مانتے۔ آخر انہوں نے اُونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالحؑ! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ۔ تو اُن کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ پھر صالحؑ اُن سے (ناامید ہو کر) پھرے اور کہا کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے۔“

اب ذکر ہے قوم ثمود کا۔ یہ لوگ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغربی کونے میں آباد تھے۔ یہ علاقہ حجر کہلاتا ہے۔ ان میں ایک بڑی شخصیت ثمود نامی تھی، جس کے نام پر یہ قوم ثمود مشہور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص نشانی آ گئی ہے، یعنی اونٹنی۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ایک چٹان سے برآمد ہوئی ہے۔ یہ تمہارے لیے ایک نشانی ہے۔ تو دیکھو اسے چھوڑے رکھو، وہ اللہ کی زمین میں جہاں سے چاہے کھاتی پھرے اور اسے کسی بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا۔ کسی طرح کا نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرنا، ورنہ دردناک عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔

اور اُس وقت کو یاد کرو جبکہ اُس نے تمہیں قوم عاد کی تباہی کے بعد اُن کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں جگہ دی، تم زمین کے نرم میدانوں میں محل بناتے ہو، اور چٹانوں کو تراش کر اپنے لیے گھر بناتے ہو۔ یہ قوم ابراہیمؑ سے پہلے کی ہے۔ لگ بھگ سات ہزار سال ان کو ہو گئے۔ لہٰذا ان کے محلات جو وہ نرم زمین میں بناتے تھے، اُن کا تو اب نام و نشان تک نہیں رہا، البتہ پہاڑوں کو تراش کر انہوں نے جو گھر بنائے تھے وہ آج بھی موجود ہیں۔ پیغمبر نے کہا اور اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

اس پر اُن کی قوم کے سردار جو متکبر تھے اُن لوگوں کو جو پسے ہوئے اور غریب تھے اور حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے تھے کہنے لگے، کیا تمہیں معلوم ہے کہ صالح واقعی اللہ کا رسول ہے۔ اُن غرباء اور فقراء نے جواب دیا ہاں، ہم تو اُس پر ایمان رکھتے ہیں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں۔ پھر تکبر کا وطیرہ اختیار کرنے والوں نے کہا کہ ہم تو اُس چیز کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، جس پر تم ایمان لائے ہو۔ اُن کی ضد اور سرکشی یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے اُس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اُسے ہلاک کر دیا۔ وہ اونٹنی معجزانہ پیدا ہوئی تھی۔ قرآن میں اُسے اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ اُس کی خوراک بھی غیر معمولی تھی۔ وہ پانی پیتی تو ایک دن کا پورا چشمہ خالی کر دیتی۔ چنانچہ طے پایا تھا کہ ایک دن اونٹنی پانی پیے گی اور ایک دن تمہارے باقی ڈھور ڈنگر مویشی بھیڑ، بکریاں پانی پئیں گی۔ یہ آزمائش اُن کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی۔ چنانچہ اُن کے بڑے بڑے سرداروں نے مل کر سازش تیار کی اور اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ (جس کی تفصیل بعد میں آئے گی) اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی اختیار کی۔ اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے چیلنج کے انداز میں کہا، اے صالح! اگر تم واقعی رسول ہو تو جس چیز کا تم نے وعدہ کیا تھا (یعنی عذاب) وہ لے آؤ۔ ہم نے تمہاری اونٹنی تو ہلاک کر دی ہے۔ اس پر اُن کو ایک زلزلے نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ سب ہلاک ہو گئے۔ تو حضرت صالحؑ اُن سے رُخ پھیر کر وہاں سے جانے لگے تو کہا اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے امکان بھر تمہاری خیر خواہی کی کہ کسی طرح تم ہوش میں آ جاؤ، لیکن کیا کروں، تم تو اپنے مخلصوں کو پسند نہیں کرتے۔ تمہیں تو وہ لوگ پسند ہیں جو تمہیں سبز باغ دکھائیں، زندہ باد، مردہ باد کے نعرے لگائیں۔

تا خلافت کی بِنا ٗ دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

# ندائے خلافت

| | | |
|---|---|---|
| جلد 18 | 5 تا 11 ربیع الاوّل 1430ھ<br>3 تا 9 مارچ 2009ء | شمارہ 9 |

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجزؔ

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعدؔ طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-5869501
pubications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں


اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# زرداری کا جمہوریت پر خودکش حملہ

پاکستان کے ایک سینئر تجزیہ کار نے On Air بہانگ دہل کہا ہے اور پوری ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت پاکستان نے سپریم کورٹ کے شریف برادران کی نااہلی کے فیصلے سے ایک دن پہلے واشنگٹن کو مطلع کیا تھا کہ ہم نواز شریف کو نااہل قرار دے رہے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس خبر سے زرداری حکومت کی امریکہ غلامی کا جو اظہار ہوتا ہے، ہمارے نزدیک اُس کی تو اب کوئی خاص اہمیت نہیں رہی، اس لیے کہ یہ حکومت اِس غلامی پر ظاہرانہ سہی حقیقتاً فخر کرتی ہے۔ حیرت تو ہمیں ان نام نہاد منصفوں پر ہے جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر حکومت وقت سے ڈکٹیشن لیتے ہیں، جو جابر حکمران کے حضور کورنش بجالاتے ہوئے کلمہ حق کہنے کی اجازت لیتے ہیں جو منصف کی تعریف سے ہی بے بہرہ ہیں۔ آیئے، فرض کرلیں کہ جج حضرات نے فیصلہ سازی میں حکومت سے کوئی ڈکٹیشن نہیں لی، کیا قبل از وقت فیصلہ کی اطلاع حکومت کو دے دینا ہی انصاف کے اصولوں کی صریحاً خلاف ورزی نہیں؟ وہ بھی چند گھنٹے پہلے نہیں کئی دن پہلے اس لیے کہ ایک دن پہلے تو حکومت نے آقا کو فیصلے سے مطلع کیا۔ حکومت کو کب سے معلوم تھا کہ یہ فیصلہ آئے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے ایک سال میں یہ شبہ تو یقین میں بدل ہی گیا تھا کہ امریکہ نے ڈبل گیم کرنے والے مشرف کو نکال کر سنگل گیم کرنے والے آصف زرداری یعنی پاکستانی کرزئی کو اِس بدقسمت قوم پر مسلط کردیا ہے۔ لیکن یہ کرزئیت انتظامیہ سے یوں عدلیہ میں منتقل ہوچکی ہے، اِس کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ آہ کاش! کوئی جان لے، منصف کی کرسی کیا کرسی ہوتی ہے اہم نے واشنگٹن کے حضور حکومتی پیشی پر کوئی گلہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ گلہ وہاں ہوتا ہے جہاں توقع ہو۔ ہمارا رونا دھونا تو عدالتی رویے پر ہے، اس لیے کہ 3 نومبر 2007ء کو مشرف نے ایک غیر آئینی حکم کے ذریعے سر اٹھا کر چلنے والے ججوں کو فارغ کیا تو نئی عدلیہ پر خیبر سے لے کر کراچی تک عوام نے عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ ہم بھی اگرچہ عدلیہ بحالی کی اِس تحریک کو ملک پر گھٹاٹوپ چھائے اندھیروں میں روشنی کی ایک کرن سمجھتے ہیں لیکن اُس کے باوجود ہم یہ وضاحت کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو انصاف کی تلقین کرتے ہوئے، ہم خود انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر اِس تجزیہ کار کی یہ خبر درست اور صحیح ہے تو ہم مذکورہ بالا تبصرہ پر قائم رہیں گے اور دنیا کی ہر عدالت میں اِس کو own کریں گے۔ اپنے لیے اور ہر مسلمان کے لیے ہماری یہ دعا ہے کہ روزِ محشر کی عدالت کے سوا کسی عدالت کا خوف ذہن اور قلب پر طاری نہ ہو اور حق لکھنے اور حق کہنے سے توہین عدالت کا کوئی قانون ہمیں خوفزدہ نہ کرے۔ لیکن اگر اِس تجزیہ کار کا کہا غلط اور جھوٹ ثابت ہوجائے تو اُسے سزا دی جائے ہم بھی متاثرہ حضرات سے معافی طلب کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھیں گے اور کسی بھی صورت اسے انانیت کا مسئلہ نہیں بنائیں گے۔ یہاں ہم سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے تحقیق مکمل ہوئے بغیر حکومت اور عدلیہ کے خلاف قلم کیوں اٹھایا اولاً اُس کی وجہ یہ تھی کہ اِس سینئر تجزیہ کار نے خبر آؤٹ کرتے وقت ہر قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ثانیاً یہ کہ خبر کا تعلق وقت سے ہوتا ہے وقت گزر جائے تو خبر کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے۔ آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ماضی قریب میں حکومتی اور عدالتی رویہ خود اِس کی تصدیق کر رہا تھا، حکومت جو تمام کی تمام زرداری کی ذات میں سمٹی ہوئی ہے اور اُن کا حال یہ ہے کہ وعدہ کرتے ہیں اور مکرنے میں فخر سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک معاہدہ سے پہلے قرآن پاک منگوالیا پھر منحرف ہوگئے اور بالآخر کہہ دیا، وعدے اور معاہدے کوئی قرآن اور حدیث نہیں۔ لہٰذا اُن کی کریڈیبلٹی کا تو اب یہ حال ہے کہ جس

بات کی تردید کرتے ہیں، وہ زیادہ مصدقہ ہوجاتی ہے اور ہماری بے لاگ رائے یہ ہے کہ اگر اِس مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام نام کی کوئی شے باقی رہ گئی ہے تو اُس کی بنا پر وہ شخص معمولی سرکاری نوکری سے بھی نااہل قرار پایا جانا چاہیے، جو یہ کہے کہ وعدہ کوئی قرآن و حدیث ہے چہ جائیکہ وہ ملک کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز رہے۔ رہ گئی بات عدالت کی تو اُس کا بھی ماضی قریب کا ریکارڈ دیکھ لیں (i) 3 نومبر 2007ء کے اُس غیر آئینی، غیر اخلاقی، غیر جمہوری اور غلیظ حکم نامے کو جس کی بدبو سے سارے پاکستان کی فضا میں تعفن پھیل گیا تھا، اُسے جائز اور درست قرار دے دیا (ii) آمرِ مطلق پرویز مشرف کے اُس N.R.O کو درست قرار دے دیا، جس سے سیاست دانوں کے اربوں روپے کے ڈاکے اور قتل و غارت کے مقدمات ختم ہو گئے تھے اور وہ پاکستان کے زخموں سے خون چوسنے کے لیے مکھیوں کی طرح اُن پر پھر بھنبھنانے لگے (iii) اسمبلی کی رکنیت کے لیے ڈگری یافتہ ہونا لازم ہے، یہ قانون عرصہ تک بعض شوقین حضرات کے سروں پر تلوار بن کر لٹکا رہا لیکن جونہی زرداری سے مشرف کی سودا بازی مکمل ہوئی۔ زرداری کو صدارات کا اہل بنانے کے لیے اِس قانون کو ایک دن میں عدالت سے تبدیل کروالیا گیا۔ اگرچہ اِس سودا بازی کے باوجود انحراف پر پختہ ایمان رکھنے والے زرداری نے بعدازاں اُسی صدر مشرف کو ڈس لیا (iv) چوتھا نکتہ انتہائی افسوسناک ہے۔ چیف جسٹس پر الزام لگا کہ اُس نے اپنی بیٹی کے نمبر بڑھوائے ہیں۔ اپنے عہدے کا اثر و رسوخ استعمال کیا ہے، اُنہیں چاہیے تھا کہ فوراً خود کو غیر فعال کرتے اور اِس الزام کی عدالتی تحقیقات دوسرے جج سے کرواتے اور اُس وقت تک انصاف کی کرسی کے قریب نہ پھٹکتے، جب تک الزام غلط ثابت نہ ہو جاتا یا کاش عدلیہ کی یہ کریڈیبلٹی ہوتی کہ وہ خود اپنی بیٹی کا کیس سنتے اور حق و انصاف کا بول بالا کرتے۔ اِن سب حقائق کی روشنی میں ہمیں سینئر تجزیہ کار کے الزامات کے تحقیق کا انتظار کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ہم چیف جسٹس صاحب کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ آپ اُس نبیؐ صادق کے امتی ہے، جس نے چوری کے مقدمہ میں فاطمہ نامی عورت کے حق میں سفارش رد کرتے ہوئے فرمایا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا اور خدا کی قسم تم سے پہلے کی امتیں اِس لیے ہلاک ہو گئیں کہ وہ امیر اور غریب توانا اور ناتوانا پر یکساں قانون نافذ نہیں کرتی تھیں۔ اب آیئے، شریف برادران کی نااہلی سے اور گورنر راج کے نفاذ سے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ہماری رائے میں پنجاب میں گورنر راج کا نفاذ زرداری کا جمہوریت پر خودکش حملہ ہے۔ یاد رہے، خودکش حملہ آور کسی دوسرے کو ہلاک کر سکے یا ناکام رہے خود نہیں بچتا۔ ہماری سیاسی سوچ اور تجربہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وقت کا تعین تو نہیں کیا جاسکتا لیکن زرداری نے اپنے زوال کی پہلی اینٹ رکھ دی ہے واللہ اعلم

اگرچہ فوری طور پر عوام کا شدید ردعمل سامنے آیا ہے۔ ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا لیکن ہماری رائے میں پنجاب کے عوام نواز شریف پر ووٹ تو بُری طرح نچھاور کریں گے اور نواز شریف کا یہ اعلان کوئی محض جذباتی بڑھک نہیں ہے کہ وہ اگلے انتخابات میں پنجاب میں دو تہائی ووٹ لیں گے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نواز شریف کے پاس ووٹ ہے، جیالے نہیں ہیں۔ وہ بھی بڑی سطح پر سٹریٹ پاور کا اظہار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ ہڑتالیں اور مظاہرے چند دن سے زیادہ نہ چل سکیں۔ البتہ یہ کہ وکلاء کا لانگ مارچ بھی چند روز تک شروع ہونے والا ہے۔ یہ دونوں قوتیں مل کر حکومت کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نواز شریف اور شہباز شریف کی طرف سے مقدمہ لڑنے والی حکومت کو اُن کے نااہل ہونے پر گورنر راج نافذ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ درحقیقت ایسی فضا قائم ہو چکی تھی کہ بچہ بچہ سمجھ چکا تھا کہ اگر عوام کو فری ہینڈ دیا گیا تو انسانوں کا سمندر اسلام آباد کے کرسی نشینوں کو غرق کر دے گا ''ن'' لیگ اور پنجاب حکومت خود لانگ مارچ کا حصہ بن گئے تو اِس سیلاب کو روکنا پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے بس کی بات نہیں ہو گی جو ایک سال میں بری طرح ناکام ہوئی ہے اور اُس کا گراف پستی کی طرف تیزی سے سفر کر رہا ہے۔ وہ اِس سیلاب میں مکمل طور پر بہہ جائے گی۔ پھر یہ کہ جب گورنر راج کی وجہ سے پنجاب پاکستان پیپلز پارٹی کے رحم و کرم پر ہو گا تو ق لیگ والوں کو لالچ سے یا ڈرا دھمکا کر اور گن پوائنٹ پر اپنے ساتھ شامل کر کے پنجاب میں بھی حکومت بنائی جائے گی۔ اب آیئے اِس طرف کہ زرداری کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اُس نے پہلے نواز شریف کو بڑا بھائی کہا، اُسے بڑی عزت و تکریم دی اُس کے ساتھیوں کو حکومت میں اہم ترین وزارتیں دیں، یہاں تک کہ شروع میں نواز شریف کو وزیر اعظم بننے کی دعوت دی وغیرہ وغیرہ۔ پھر سب کچھ الٹ جانے لگا۔ قارئین کو ایک بات جان لینی چاہیے، دنیا میں اِس وقت ہمارا سب سے بڑا اور نمبر ایک دشمن امریکہ ہے، جس کی گردن پر یہودی سوار ہے۔ پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات اُن کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے اور اُس کے ایٹمی اثاثہ جات پر حملہ آور ہونے کے لئے اُسے عدم استحکام سے دوچار کرنا لازم ہے۔ اگر ملک کی دو بڑی جماعتیں اتحاد و اتفاق سے حکومت بنالیتیں اور نظام حکومت بڑے ہموار انداز میں چلتا، ملک میں استحکام آتا۔ حکمرانوں کی جڑیں عوام میں ہوتیں، اُن کی کرسی کو خطرہ نہ ہوتا عوامی قوت سے مسلح یہ حکومت آسانی سے امریکی ایجنڈے کی تکمیل پر رضامند نہ ہوتی۔ زرداری جو بے نظیر کی ہلاکت کے بعد للچائی ہوئی نگاہوں سے کرسی صدارت کو دیکھ رہا تھا، اُسے اپنی پشت پناہی کا جھانسہ دے کر نواز شریف سے تصادم مول لینے پر آمادہ کر لیا، اگر زرداری عقل سے کام لیتا اور امریکی حمایت یافتہ سابق حکمرانوں کے انجام پر نگاہ ڈال لیتا تو امریکی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں نہ ڈالتا۔ امریکہ کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جس حکمران کی پشت پر اپنا دستِ شفقت رکھتا ہے کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد اُسے ایسے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور بعض اوقات مجبور کرتا ہے جس سے وہ عوام میں غیر مقبول ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اب وہ مکمل طور پر امریکہ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے کیونکہ اُسے اپنی کرسی عزیز ہوتی ہے۔ بعض اوقات امریکہ ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ کرسی گئی تو عوامی غیض و غضب میری جان بھی لے سکتا ہے اب وہ بے دام غلامی کرتا ہے اور ملکی مفادات امریکی خواہشات پر قربان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی چال امریکہ زرداری سے چل رہا ہے۔ امریکہ جب یہ دیکھتا ہے کہ یہ حکمران اب اتنا غیر مقبول ہو گیا ہے کہ وہ اثر انداز ہی نہیں ہو رہا تو اُسے استعمال شدہ ٹشو پیپر کی طرح ردی کی ٹوکری میں (باقی صفحہ 10 پر)

# وکلاء تحریک

## مایوسی کے اندھیروں میں امید کی کرن

**قرآن آڈیٹوریم نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خطاب کی تلخیص**

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

معزز حاضرین اور محترم خواتین!

میں اور میری طرح لاکھوں پاکستانی مسلمان اِس کے قائل ہیں کہ اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ پاکستان کا قیام بھی اسلام اور اسلامی جذبے کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا، اور اِس کا استحکام و بقا بھی اسلام ہی سے وابستہ ہے۔ یہی نہیں، میرے نزدیک پاکستان کا ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ، غلبۂ اسلام کے دورِ ثانی اور عالمی نظامِ خلافت کے قیام کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد قمری حوالے سے تریسٹھ برس ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں، میں اسلام اور پاکستان کے باہمی رشتے کے حوالے سے میں مختلف کیفیات سے گزرا ہوں۔ کبھی تو ایسا ہوا کہ میرے دل و دماغ میں امید کے چراغ جلنے لگے اور کبھی مجھے مایوسی کے اندھیروں سے سابقہ پڑا۔ آیئے، امید و بیم کے اِس سفر پر نگاہ ڈالیں۔

1949ء میں قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے سے امید کا چراغ روشن ہوا۔ قراردادِ مقاصد میں اصولاً پاکستان میں نظامِ خلافت کے قیام کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ خلافت کسے کہتے ہیں؟ خلافت وہ نظام ہے جس میں مسلمان اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کریں اور رسول ﷺ کے احکام کی روشنی میں مشاورت سے حکومت کریں۔ اس کا فیصلہ قراردادِ مقاصد میں ہو گیا کہ حاکمیتِ اعلیٰ (Sovereignty) اللہ کی ہوگی' ہمارے پاس جو اختیار بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور یہ اپنی حدود کے اندر استعمال ہوگا' جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے ذریعے طے کر لی گئی ہیں۔ یہ قرارداد دراصل عہدِ حاضر کے دجالی نظام کے خلاف اعلانِ بغاوت تھا۔ سیکولرازم کا جو نظریہ پوری دنیا میں مسلّم ہو چکا تھا، یہ اُسے اُٹھا کر دیوار پر پھینک دینے کے مترادف فیصلہ تھا جو اہلِ پاکستان نے کیا۔ چنانچہ نظامِ خلافت کا اصولی فیصلہ ہو گیا۔ پھر جب بہت سے لوگوں نے اعتراضات کیے کہ کس کا اسلام نافذ کرو گے' دیوبندیوں کا' شیعوں کا' سنیوں کا یا اہلحدیث کا؟ تو اُس وقت یہ بھی معجزہ ہی ہوا کہ ایک سال بعد 1950ء میں تمام مکاتبِ فکر دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث' شیعہ اور جماعت اسلامی کے چوٹی کے قائدین جمع ہوئے اور ان 31 علماء نے متفقہ طور پر اسلامی دستور کی تدوین کے بارے میں بائیس نکات معین کر کے دے دیے۔ دوسری جانب شیطان اور اُس کے ذہنی چیلے چانٹے بھی متحرک ہو گئے۔ لیاقت علی خان کو امریکہ بلایا گیا اور وہاں امریکن جیوش کانگرس کی طرف سے انہیں پیشکش کی گئی کہ اگر پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر لے تو ہم اُسے معاشی سپورٹ دیں گے، فلاں فلاں مدد دیں گے۔ لیاقت علی خان نے اِس کا نہایت جراتمندانہ جواب دیا: "Gentlemen! our souls are not for sale." قراردادِ مقاصد کی منظوری اور اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا، لیاقت علی خان کے یہ دو ایسے جرائم تھے جن کی پاداش میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد پھر امید کی کرن اُبھری جب چودھری محمد علی پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔ انہوں نے 1956ء میں ایک دستور مرتب کرایا' جس میں اسلامی دفعات فیصلہ کن انداز میں شامل کی گئیں۔ اس سے اُمید کا ایک چراغ روشن ہوا۔ لیکن 1958ء میں جب ایوب خان آیا تو اس نے پورے منظر کی بساط ہی لپیٹ دی۔ اُس نے دستور اور دستوریہ کو پامال کر کے رکھ دیا اور سب کچھ ختم کر کے مارشل لاء نافذ کر کے بیٹھ گیا۔ بدقسمتی سے مارشل لاء کے نفاذ پر سیاستدانوں، دینی طبقات اور عوام کی طرف سے کوئی ردعمل سامنے نہ آیا۔ اِس سے واضح ہوا کہ سیاسی حوالے سے ہم نابالغ قوم ہیں۔

ایوبی دور میں جو عائلی قوانین پاس کیے گئے، اُن میں شریعت کے احکام کو بدل دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کام انگریز نے نہیں کیا تھا، وہ کام اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کیا گیا۔ یہ وہ کام تھا جو آج تک ہندوستان میں بدترین دشمن اسلام نہیں کروا سکے' وہ کام جو بی جے پی اور اس کی حکومت بھی نہیں کروا سکی' حالانکہ اس کے دستور میں "کامن سول کوڈ" کا ذکر ہے کہ جب بھارت کے ہندو اور مسلمان مل کر ایک قوم بن گئے ہیں اور مسلمانوں نے بھی مان لیا ہے کہ ہم اسی قوم کا حصہ ہیں تو ہمارے مشترکہ قوانین ہونے چاہئیں' عائلی قوانین اور نکاح و طلاق کے معاملات بھی ایک جیسے ہونے چاہئیں' لیکن ان کی خواہش کے باوجود یہ نہیں ہو سکا۔ اگرچہ علماء نے عائلی قوانین کو خلاف اسلام قرار دیا، مگر بدقسمتی اور مایوسی والی بات یہ تھی کہ اس کے خلاف انہوں نے کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی۔ احتجاجی تحریک اگر چلی ہے تو جمہوریت کے لئے' بلکہ جمہوریت کے لیے سیکولر' مذہبی' دائیں اور بائیں بازو کی سب جماعتیں جمع ہو گئیں۔ اور جو اسلام کے اندر قطع و برید کی گئی' اسلام کا چہرہ بگاڑا گیا اور وہ قوانین آج تک قائم ہیں، ان کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ جبکہ ان قوانین کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں فساد برپا ہے۔

1971ء میں ملک دولخت ہو گیا۔ گویا ہم نے اللہ کے ساتھ جو وعدہ خلافی کی تھی' اللہ نے اس کی سزا کا پہلا کوڑا ہماری پیٹھ پر دے مارا۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ عذاب سے پہلے قوموں کو مہلت دیتا ہے اور اس نے ہمیں بھی پچیس سال کی مہلت دی تھی' یعنی 14 اگست 1947ء سے لے کر 16 دسمبر 1971ء تک قمری حساب سے پچیس برس بیت گئے۔ ان 25 برسوں میں ہمارا امتحان لیا گیا' اس کے بعد مہلتِ عمل ختم ہو گئی اور ملک دولخت ہو گیا۔

بچے کھچے مغربی پاکستان میں بھٹو کے دورِ حکومت کا آغاز ہوا۔ انہوں نے پہلے ہی دن سے یہاں نظامِ اجتماعی کی حیثیت یعنی اسلام ہمارا دین، سوشلزم ہماری معیشت، جمہوریت ہماری سیاست کو نافذ کرنے کا ارادہ کیا، گویا اس حیثیت میں اسلام کو محض مذہب کی صورت میں رکھا گیا تھا حالانکہ اصل مسئلہ اسلام بحیثیت دین اور نظامِ زندگی کا تھا،

جس کی گویا بھٹو نے نفی کی۔ اگرچہ انہوں نے دو اچھے کام کیے۔ قوم کو 1973ء کا متفقہ آئین دیا جس میں اسلامی دفعات برقرار رکھیں اور دوسرے ایٹمی پروگرام شروع کیا، تاہم وہ نظام میں کوئی تبدیلی نہ لا سکے۔ اگر وہ چاہتے تو اس ملک کے ماوزے تنگ بن سکتے تھے۔ وہ ملک سے جاگیرداری کی لعنت کو ختم کر سکتے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ جاگیردارانہ کھال سے باہر نہ نکل سکے۔

1977ء میں جب نظامِ مصطفیٰؐ تحریک چلی تو پھر ایک اُمید پیدا ہوئی۔ اگرچہ مجھے اس تحریک سے بوجوہ کوئی اُمید وابستہ نہیں تھی، لیکن اس تحریک کا جوش و خروش اور ولولہ یہ بتاتا تھا کہ بس اب نظامِ مصطفیٰؐ کی منزل قریب ہے۔ یہ تحریک بہت جاندار اور شاندار تھی، مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ اینٹی بھٹو تحریک تھی، جس کا نام پاکستان نیشنل الائنس (PNA) رکھا گیا تھا۔ بنیادی طور پر اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر جب قربانیاں دینے کا وقت آیا اور ابتلاء و آزمائش کا دَور شروع ہوا تو اس کا نام نظامِ مصطفیٰؐ تحریک رکھا گیا، اس لیے کہ مسلمان اسلام کے نام پر ہی ہر قربانی دے سکتا ہے۔

بعد ازاں ضیاء الحق کے دور میں (1977ء تا 1988ء) مجھے کچھ عرصے کے لیے یہ خیال ہوا کہ شاید یہ شخص اسلام کے لیے کچھ کرے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں ضیاء الحق کے متعلق اس خوش فہمی کا شکار رہا کہ یہ شخص واقعتاً کچھ کرنا چاہتا ہے، لیکن میں اس خوش فہمی میں چند ماہ سے زیادہ مبتلا نہیں رہا۔ اگرچہ شروع میں جب مجھے اس کی شوریٰ میں شمولیت کی دعوت دی گئی تو میں نے یہ دعوت قبول کر لی، تاہم جلد ہی میں نے صحیح صورت حال کا ادراک کر لیا۔ میں نے شوریٰ کے دو سیشن اٹینڈ کیے تھے جن سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ صرف ایک دکھاوا اور ظاہری لیپاپوتی ہے، جس کا مقصد امریکی رائے عامہ کو یہ باور کرانا ہے کہ میری حکومت خالص فوجی حکومت نہیں ہے بلکہ اس میں سویلین بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد ضیاء الحق نے نفاذِ اسلام کے لیے جو بھی قدم اٹھائے، واقعہ یہ ہے کہ وہ انتہائی نیم دلانہ اور بہت ہی سطحی سے اقدامات تھے۔ چنانچہ نظامِ مصطفیٰؐ تحریک کے جوش و جذبہ کو بڑی آسانی سے سٹیم آؤٹ کر دیا گیا اور اس کا سارا جوش و خروش ختم ہو کر رہ گیا۔

ضیاء الحق نے نفاذ اسلام کے لیے چند سطحی اقدامات کے علاوہ بعض اچھے کام بھی کیے۔ مثلاً انہوں نے فیڈرل شریعت کورٹ قائم کی، تاہم افسوسناک بات یہ ہے کہ اُس کو دو ہتھکڑیاں پہنا کر اور دو بیڑیاں ڈال کر عملاً غیر مؤثر بنا دیا۔ کچھ اسی قسم کا معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کا کے ساتھ ہوا۔

1997ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو نواز شریف کی زیر قیادت بہت غیر معمولی مینڈیٹ ملا تھا۔ ایسا مینڈیٹ مسلم لیگ کو انڈیا میں 1946ء کے عام انتخابات میں ملا تھا، بلکہ 1997ء کا یہ مینڈیٹ اس سے بھی بڑا تھا۔ میاں محمد شریف صاحب مرحوم کا گھرانہ مجموعی طور پر ایک مذہبی گھرانہ ہے۔ چنانچہ اس گھرانے کے مذہبی تعلق کی بنیاد پر میں نے میاں شریف صاحب کو ایک خط لکھ دیا کہ آپ کے خاندان کو جو یہ مقام ملا ہے، یہ آپ کے لیے موقع ہے کہ اس ملک کے اندر اسلام نافذ کریں۔ مجھے قطعاً کوئی توقع نہیں تھی کہ اس خط کے نتیجے میں وہ خود چل کر میرے پاس آ جائیں گے۔ میں نے اپنے خط میں ایک جملہ لکھا تھا کہ ”میرے نزدیک دولت مند لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر دین کے خادموں کا حاضری دینا مناسب نہیں ہے“۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ میاں شریف صاحب کے دل کو جا کر لگا۔ چنانچہ شام کو فون آ گیا کہ ہم چاروں آ رہے ہیں۔ میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان، میاں شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب اور میاں عباس شریف تینوں بیٹے اپنے والد صاحب کے ساتھ میرے پاس آئے اور بڑی تفصیل سے باتیں ہوئیں۔

اُن دنوں سود کا معاملہ یہ صورت اختیار کر چکا تھا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کی طرف سے بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دیا جا چکا تھا اور اس کے بعد سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے بھی اس کی توثیق کر دی تھی۔ اب تو اس پر عمل درآمد باقی تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اب اس فیصلے پر عمل کیجیے، اس کے لیے دستور میں جہاں ضرورت ہے ترمیم کیجیے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ دستور کے اندر کہاں کہاں ترامیم ہونی چاہئیں۔ اس لیے کہ اس ملک کا دستور منافقت کا پلندہ بن چکا ہے۔ مجھ سے شہباز شریف نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ملک سے سود کا خاتمہ کتنے عرصے میں ہو جانا چاہیے؟ میں نے کہا ایک سال میں۔ شہباز شریف نے کہا کہ ہمیں اس کے لیے تین سال درکار ہوں گے۔ اس پر میاں شریف صاحب نے اپنے بیٹوں کو حکماً کہا: ”چھ ماہ کے اندر سود کا خاتمہ کرو“۔ ان کے یہ الفاظ آن دی ریکارڈ بھی ہیں اور قضا و قدر کے کارکنوں کے ہاں بھی محفوظ ہیں۔

یہ حضرات مجھ سے بڑے پختہ وعدے کر کے گئے۔

اس کے بعد کچھ وقت اور گزر گیا لیکن کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔ پھر میاں شریف صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ علاج کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔ واپس آئے تو میں نے اخبارات میں چھوٹا سا اشتہار شائع کرایا جس میں انہیں مبارک باد دی کہ آپ صحت یاب ہو کر آ گئے، لیکن شاید اللہ نے آپ کو یہ مہلت اس لیے دی ہے کہ آپ جو وعدہ کر کے گئے تھے اس کو پورا کروا دیں۔ اس پر چاروں باپ بیٹے پھر میرے پاس آئے اور پھر بڑے پختہ وعدے کیے۔ اس کے نتیجے میں میری اُمید کے چراغ پھر روشن ہوئے، لیکن افسوس کہ سود کے معاملے میں کوئی وعدہ پورا نہیں ہوا، بلکہ الٹا review petition داخل کر دی گئی۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کو سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ سے نکال باہر کیا گیا اور نئے جج تعینات کر دیے گئے، جنہوں نے یہ فیصلہ دے دیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ ازسرِ نو اس معاملے کا جائزہ لے۔ اس کے بعد گویا یہ معاملہ پھر پہلی سٹیج پر آ گیا۔ دستور میں جو ترامیم میں نے تجویز کی تھیں ان کے لیے میں نواز شریف صاحب کے پاس اسلام آباد میں اپنا ترامیم والا مسودہ لے کر حاضر بھی ہوا تھا، لیکن یہ سب کچھ بے سود رہا۔

1999ء میں نواز شریف حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور پرویز مشرف اقتدار پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد سے ہمارے حالات مزید ابتر ہونا شروع ہوئے اور مایوسی کے اندھیارے گہرے سے گہرے تر ہوتے چلے گئے۔ پرویز مشرف نے آتے ہی اتاترک کا نام لیا اور ترکی کی بات کی جو اِس دنیا میں مسلمان ملکوں میں سب سے بڑا سیکولر ملک ہے۔ اس کے دستور کے اندر سیکولرازم کو اس قدر مضبوط پوزیشن حاصل ہے کہ کوئی پارلیمنٹ سو فیصد کی اکثریت سے بھی اس میں ترمیم نہیں کر سکتی۔ یہ ہے اتاترک کا بنایا ہوا ترکی! سب سے پہلے پرویز مشرف نے اسے اپنا آئیڈیل قرار دیا اور کتوں کو گود میں لے کر تصویر بھی کھنچوائی، تاکہ امریکہ اور مغرب کو یہ پیغام پہنچ جائے کہ میں کوئی عملی مسلمان نہیں ہوں، کوئی بنیاد پرست نہیں ہوں، بلکہ آپ کا ساتھی ہوں اور آپ کی تہذیب میں رنگا ہوا ہوں۔ پھر پرویز مشرف نے روشن خیال اعتدال پسندی کا پرچار شروع کیا۔ یعنی اسلام کا نام ضرور لو لیکن اپنے عمل سے اور اپنی تہذیب اور تمدن سے ثابت کرو کہ:

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

اب آپ تھوڑی دیر کے لیے خارجی پہلو پر نظر ڈالیے۔ اس عرصے میں عالمی سطح پر حالات نے جو کروٹ لی، وہ بھی اسلام اور پاکستان کے حوالے سے نہایت پرخطر ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد امریکہ زمین پر واحد عالمی طاقت بن گیا۔ پہلی گلف وار کے بعد امریکی صدر بش سینئر نے پہلی مرتبہ نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ لگایا۔ نیو ورلڈ آرڈر اصل میں جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ یہ سارا نظام یہودیوں کا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ امریکی ڈالر کے نوٹ پر ایک آنکھ بنی ہوئی ہے اور اُس کے نیچے لکھا ہے نووس آرڈو سیکلورم آف

1776ء ۔ یہی درحقیقت آرڈر آف ایلومیناٹی ہے جو یہودیوں نے شروع کیا۔ اب وہ نیو سیکولر ورلڈ آرڈر دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تو بش نے اعلان کر دیا کہ اب نیو ورلڈ آرڈر کا دور آ گیا ہے۔ اس صورتحال کا ہمارے حوالے سے کیا نتیجہ نکلا۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد چین ایک بڑی طاقت کے طور پر اُبھرنے لگا، اور یوں امریکہ مقابلے میں مشرق سے ایک نیا سورج طلوع ہونے لگا۔ لہٰذا امریکہ نے containmant of China کی پالیسی اپنائی۔ اُس نے بدلتے ہوئے حالات میں ہم سے منہ موڑ لیا، اس کے باوجود کہ ہم اپنی تاریخ کے پورے عرصے میں امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بنے رہے اور اُس نے بھارت کی طرف رُخ کر لیا۔ اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہوئی کہ صدر بل کلنٹن جنوبی ایشیا کے دورے پر آئے، تو بھارت میں پانچ دن قیام کیا اور پاکستان میں صرف پانچ گھنٹے رُکے، اور یوں ہمیں یہ پیغام دیا گیا کہ ہمارے نزدیک اب بھارت کے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔

اُس زمانے میں نیو ورلڈ آرڈر کے قیام کے پس منظر میں ہمیں دس نکاتی پروگرام اور ایجنڈا دیا گیا۔ یہ ایجنڈا مغرب کی طرف سے وہ پالیسیاں ہیں جو ان کے تھنک ٹینکس، پاکستان کا دورہ کرنے والے مختلف امریکی حکام اور امریکی میڈیا میں امریکی سینیٹرز کے مضامین کے ذریعے سامنے لائی گئیں۔

① پاکستان کے نظریاتی پس منظر اور اساس کو بھول جاؤ۔

② مغربی سیکولر نظام کو پوری طرح اپناؤ۔ تمہارے قانون میں دو چیزیں بطور خاص ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ ایک یہ کہ تم نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔ یہ کٹر بنیاد پرستی ہے، اِس کو ختم کرو۔ دوسرے یہ کہ توہین رسالت پر تمہارا ردِعمل غیر فطری ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا قانون توہین رسالت کا خاتمہ کرو۔

③ کشمیر کو بھلا دو۔ اسی زمانے کی بات ہے، واجپائی اور نواز شریف کی ملاقات ہوئی۔ نواز شریف نے کہا کہ کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ کوئی حوصلہ افزا جواب ملے گا، مگر واجپائی نے جو جواب دیا اُس سے ہندو کی اصل ذہنیت جھلکتی ہے۔ اُس نے کہا، پاکستان کے بغیر بھارت نامکمل ہے۔

④ اپنے ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرو اور CTBT پر دستخط کرو

⑤ وہ جہادی تنظیمیں جو تم نے جہاد افغانستان کے دوران تیار کیں اور انہیں جہاد کشمیر میں بھی استعمال کیا، اب اِن کے خلاف کریک ڈاؤن کرو، اور انہیں کچل دو۔

⑥ افغانستان کے طالبان سے روابط ختم کرو (یاد رہے کہ یہ 2001ء سے پہلے کی بات ہو رہی ہے)

⑦ دینی مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن کرو۔ اگر سعودی عرب اور ترکی میں الگ مدارس نہیں، تو تمہارے ہاں یہ کیوں موجود ہیں۔ یہ مدارس بنیاد پرستی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ یہاں سے فدائی نکلتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ختم کرو۔

⑧ ورلڈ بینک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن، ٹرپس جیسے ہمارے اداروں کے تمام قواعد ضوابط کی دل و جان سے پابندی کرو۔

⑨ بھارت کو علاقائی سپر پاور تسلیم کرو اور اُس کے سامنے گھٹنے ٹیک دو۔

⑩ آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ تہذیبوں میں جو تصادم ہم کرا رہے ہیں، اس میں تمہاری طرف سے ذرا بھی مزاحمت نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ ہم تمہارے ملک میں میڈیا کے ذریعے مغربی تہذیب کی جو یلغار کر رہے ہیں، اُس میں ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔ ہماری تہذیب کو فروغ دو۔ بے پردگی و بے حجابی، فحاشی و عریانی اور رقص و سرود کو عام کرو۔

یہ تو بش سینئر اور بل کلنٹن کے دور کا پروگرام تھا۔ اِس کے بعد امریکہ میں بش جونیئر کا دور آیا۔ اُس نے آتے ہی Evengelists عیسائیوں اور صیہونی یہودیوں کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ موساد اور نیوکونز کے اشتراک سے امریکہ نے خود جڑواں ٹاور گرا دیئے، مگر پہلے ہی دن سے اِس کا الزام طالبان اور اسامہ بن لادن پر عائد کر دیا، حالانکہ امریکی آج تک نہ تو طالبان کے خلاف اور نہ ہی اسامہ کے خلاف کوئی ثبوت سامنے لا سکے۔ اب یہ بات خود امریکہ میں کہی جا رہی ہے کہ یہ سب کچھ امریکہ نے خود کرایا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ امریکی عوام میں خوف، غصہ اور اشتعال پیدا کر دیا جائے، اور بش کو دنیا کو فتح کرنے اور نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جس جنگ کے لیے نکلنا تھا، اُس کے لیے فنڈز "release" ہوتے رہیں۔

نائن الیون کے بعد صدر پرویز مشرف امریکہ کی ایک دھمکی پر بتاشے کی طرح بیٹھ گئے اور طالبان کے خلاف جنگ میں امریکہ کے تمام مطالبات مان لیے۔ 16 ستمبر کو پرویز مشرف نے علماء و مشائخ کے ساتھ ایک میٹنگ رکھی۔ اُس میں مجھے بھی بلایا گیا تھا۔ میں نے اُس موقع پر اُن پر واضح کیا کہ امریکہ کی طرف سے جو جنگ افغانستان پر مسلط کی جا رہی ہے، یہ یہودی کی سازش ہے، اِس میں تعاون نہ کیجیے۔ میں نے عرض کیا صدر صاحب! اگر آپ نے اس وقت طالبان کے خلاف امریکہ کا آلۂ کار بننا پسند کیا تو تین باتیں نوٹ فرما لیں۔ اولاً یہ عدل انصاف کے مسلّمہ اصولوں سے بغاوت ہوگی، اس لیے کہ ابھی کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ یہ غیرت اور حمیت کے خلاف ہوگا۔ ہم نے طالبان حکومت کی حمایت کی۔ پاکستان نے طالبان کو بے نظیر کے دورِ حکومت میں وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کے ذریعے سے اسپانسر کیا اور خود امریکہ اسے سپانسر کرنے والوں میں شامل ہے، اور ہم نے طالبان حکومت کو تسلیم بھی کیا ہے اور اسلام آباد میں آج بھی اس کا سفارت خانہ موجود ہے۔ ان کے سفیر ملا ضعیف یہاں موجود ہیں۔ بس صرف ایک دھمکی پر ہم ان سے پیٹھ پھیر لیں، یہ سراسر غیرت و حمیت کے منافی ہے۔ آخر غیرت بھی کسی شئے کا نام ہے۔ لیکن ہمارا حال بحیثیت مجموعی یہ ہو گیا ہے کہ اب کوئی غیرت و حمیت باقی نہیں رہی۔ ع "حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔" اور تیسری بات میں نے یہ کہی کہ "یہ اللہ اور اس کے دین اسلام کے خلاف بغاوت ہوگی۔"

صدر صاحب نے اپنی تقریر میں تین مصلحتیں بیان کی تھیں کہ "امریکہ کا ساتھ دینے سے (i) ہمارا کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا، امریکہ اسے حل کرا دے گا۔ (ii) ہمارا ایٹمی اثاثہ محفوظ رہے گا۔ (iii) ہم اس وقت کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوں گے۔" میں نے کہا "آپ کی یہ تینوں باتیں ٹھیک ہیں، لیکن یہ عارضی ہیں۔ بہت جلد آپ کی باری بھی آ کر رہے گی۔ اس لیے کہ ان تمام واقعات کے پیچھے اصل سازش اسرائیل کی ہے، توقع یہ تھی کہ امریکہ ایک دم افغانستان اور اس کے حمایتی پاکستان پر جھپٹے گا، لہٰذا آپ کی باری تو آ کر رہے گی، یہ نہ سمجھیے کہ آپ بچ جائیں گے۔"

بہرحال نائن الیون کے بعد جس طرح پاکستان کے حالات بگڑتے گئے، اُن سے میری مایوسی کی دھند اور گہری ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ 2004ء میں میں نے ایک تقریر کی، جس کا عنوان تھا: "کیا پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔" میں نے کہا، یقیناً اِس کا جواب ہاں میں ہے۔ اِس لیے کہ پاکستان اپنی وجۂ جواز کھو چکا ہے، یہ ملک کسی لسانی بنیاد پر قائم نہیں ہوا، نہ ہی یہ وطنی قومیت کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ وطنی قومیت کی تو ہم نے نفی کی تھی، اسی بنا پر تو ہم نے کانگریس سے اختلاف کیا تھا۔ ہم نے یہ ملک اسلامی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا تھا۔ ہم یہاں اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کی عملی مثال قائم کرنا چاہتے تھے، جسے پوری دنیا کے سامنے پیش کر سکتے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی بات کہی تھی۔ علامہ اقبال نے 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں جو خطبۂ صدارت دیا تھا اُس میں یہی کہا تھا کہ اگر ہمیں ایک آزاد اور خود مختار ریاست حاصل ہو گئی تو (باقی صفحہ 16 پر)

# حضور اکرم ﷺ کا انقلاب اور معاشرتی مساوات

سید اسعد گیلانی

حضور اکرم ﷺ کے برپا کردہ اسلامی انقلاب نے تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا اور وہ سطح تھی انسانیت کی مساوی سطح، ابن آدم ہونے کی حیثیت سے آدمی کی سطح اور اللہ کا بندہ ہونے کی حیثیت سے بندگی کی سطح۔ یہ وہ مساوی اور برابری کی سطح تھی جس پر اس سے پہلے سارے انسانوں کو کبھی کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ کے انقلاب کا یہ حیرت انگیز معاشرتی اور انسانی پہلو تھا۔ پہلی بار آدم کے بیٹوں کو مساوی انسانی حقوق ملے تھے۔

جب سے انسان زمین پر آیا تھا، اس نے اپنی امتیازی شان بنانے کے لیے بیسیوں وجوہ امتیاز پیدا کر لیے تھے۔ سارے انسانوں کے پاس یکساں اعضاءِ انسانی تھے۔ ان کی عمومی قوتیں اور صلاحیتیں بھی برابر سی تھیں۔ عام حالات میں جس طرح کسی بکری کو دوسری بکریوں پر اور کسی شیر کو دوسرے شیروں پر فضیلت دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی اسی طرح انسانوں میں بھی ایک انسان کو دوسرے انسان پر ترجیح و فضیلت کی بظاہر کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اشرف المخلوقات انسان نے جہاں اور بہت سی پستیاں اپنے اندر قبول کیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ بتدریج ایک دوسرے کے مقابلے میں بلندی و پستی، فضیلت و عدم فضیلت اور امتیازات اعلیٰ و ادنیٰ کا شکار ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ بعض انسان دوسرے انسانوں کے مقابلے میں اپنی خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ ذرا سی اجتماعی قوت و اختیار نصیب ہوا اور ذرا سا حکم چلنے کا امکان پیدا ہوا تو انسان اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں پڑ گیا کہ وہ عام انسانوں سے فائق تر کوئی بہت بڑی شے تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ دوسرے انسان اس کے مقابلے میں بہت پستی اور ذلت کے مقام پر کھڑے تھے۔ پھر دوسرے انسانوں نے بھی اسے یہی یقین دلایا کہ واقعی اس میں ایسی خوبیاں موجود تھیں کہ دوسروں کے مقابلے میں اسے اشرف و اعلیٰ و ارفع قرار دیا جائے۔

بتدریج اس شرف و رفعت کے لیے کئی پیمانے وضع ہوتے چلے گئے۔ خاندانی نسب کا شرف، نسل و خون کی رفعت، رنگ کی خوبی، قبیلہ کی بلندی، عہدہ و منصب کا امتیاز اور ان امتیازات کے زینے لگا لگا کر انسان نے بناوٹی طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے بلند ثابت کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ یہ شیطانی جاہلی جذبہ اس قدر قوی نکلا کہ انسان میں اوّل روز سے اس کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے اور جو بات ابلیسِ لعین آدم کے مقابلے میں کہہ کر مستقل طور پر راندا گیا تھا اسی بات کی توقع انسان بھی رکھتا ہے کہ اس کی فضیلت کو تسلیم کیا جائے حالانکہ اپنی فضیلت کا ایسا ہی جھگڑا ابلیس نے بھی آدم کے بارے میں اپنے رب کے سامنے کیا تھا اور اس کی ابدی سزا بھگتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو فرشتوں سے کہا کہ اس نئی مخلوق کو جو مٹی سے بنائی گئی تھی، سجدہ کرو۔ اس حکم پر سارے ہی فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ مگر اپنی بڑائی اور فضیلت کے گھمنڈ میں مبتلا ابلیس سجدے سے باز رہا اور انکار کر بیٹھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے ابلیس تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ کیا تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے۔" (ص:75)

اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں جو بات ابلیس نے کہی، وہی اس کائنات کی سب سے پہلی اور مہلک بیماری قرار پائی۔ یعنی تکبر و غرور۔

اس نے کہا "میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔" (آیت:76)

اس نسلی اظہار فضیلت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اسی وقت جو فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا:

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا "اچھا تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے اور تیرے اوپر یوم الجزا تک میری لعنت ہے۔" (ص:77)

اسلامی معاشرے میں سب انسان معاشرتی اور انسانی سطح پر برابر ہوتے ہیں اور کسی کو کسی دوسرے پر کوئی وجہِ امتیاز و فضیلت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ الٰہی تعلیمات پر مبنی معاشرہ ہے۔ یہ وہ انقلابی تصورِ مساوات ہے جو حقیقی انسانی مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن کی آمد سے پہلے کسی دیگر معاشرے کو مساواتِ انسانی کا یہ انقلابی تصور نصیب نہیں ہوا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی انقلاب کے ذریعے جو معاشرہ برپا کیا اس میں بنیادی حقوق کے اعتبار سے بھی تمام باشندوں میں مساوات تھی۔ نسل، رنگ، خون، زبان، خاندان یا ذات برادری کی بنا پر کوئی برتر یا کم تر نہ تھا۔ سب کے سب افراد مساوی حقوقِ انسانی سے بہرہ ور تھے۔ حقِ نصیحت سب کو حاصل تھا۔ تحریر، تقریر، اجتماع، ملکیت، کسب، تجارت، آبادکاری، سفر، عزت و آبرو، خلوت غرض وہ تمام انسانی حقوق جو انسان کو انسان ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے ہیں حضور ﷺ کے برپا کردہ اسلامی معاشرے میں سارے باشندوں کو مساوی طور پر حاصل تھے۔

دوسروں کے مقابلے میں کسی کے بھی مفادات مخصوص اور محفوظ نہ تھے۔ سب افراد ریاست کے نزدیک برابر اور محترم تھے۔ سب کی ذمہ داریاں، صلاحیت اور اہلیت کے تناسب سے مساوی تھیں۔ بنیادی ضروریات کے لیے روزگار کے بنیادی حقوق بھی سب کو میسر تھے۔ اور سب کو ان حقوق کی ضمانت بھی حاصل تھی۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص سے دین و اخلاق کی فضیلت کے سوا کسی دوسری فضیلت کے سبب برتر و محترم نہ تھا۔ سوائے اس معیارِ فضیلت کے جو اسلام نے اپنے معاشرے میں خود مقرر فرما دیا ہے۔

یہ بالکل ایک نیا اور انقلابی تصورِ فضیلت ہے جو اسلام نے پیش فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"پرہیزگاری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

مزید فرمایا:

"نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو۔"

نیز فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

"سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے۔"

پھر فرمایا:

"اے لوگو تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے

تھے۔ نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

حضور ﷺ کے پیش کردہ اس معیار فضیلت نے تمام غیر الٰہی نظریات کے معیارات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ نسل کے بت پر اسلام نے یہ کہہ کر ضرب لگائی۔

"اللہ نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔" (النساء: 1)

مزید ارشاد ہوا:

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (سورۃ الحجرات)

حضور ﷺ نے فرمایا:

"جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔"

نیز فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی طرف بلاتا ہے۔"

غرض اولادِ آدم کی حیثیت سے اسلام میں کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں انسان کے بنیادی حقوق سب کے لیے مساوی اور برابر ہیں۔ اسلامی نظام میں کسی کے بچوں کو اس لیے بہترین تعلیمی اور رہائشی سہولتیں میسر نہیں آسکتیں کہ وہ بچے امیر المومنین کے بچے ہیں اور کسی کے بچے صرف اس لیے گلیوں میں خاک چھانتے نہیں پھر سکتے کہ وہ کسی غریب کی اولاد ہیں۔ اسلام میں ہر فرد کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ تمام امتیازات سے قطع نظر اپنا انسانی حصہ وصول کرے اور اپنے طبعی جسم کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی ضروریات کو حاصل کرے۔ ریاست کے قانون میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

خاندانی اور نسلی افتخار سے منع کر دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ دوزخ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر، کیونکہ میرا رشتہ تجھ کو اللہ کے ہاں مفید نہیں ہو سکتا۔"

لیکن اگر کوئی چیز کسی کے لیے وجہِ فضیلت بن سکتی ہے تو وہ "تقویٰ" ہے۔ چنانچہ اسلام کے تمام داعیوں نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور اس کے تقویٰ کی طرف ہی بلایا۔

"اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لیے اور کوئی معبود نہیں۔"

چنانچہ نبی ﷺ کو بھی یہی حکم ہوا:

"اے چادر لپیٹنے والے کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔"

غرض اللہ کی عبادت اور بندگی ہی وہ ایک معیار ہے جو انسان اور انسان میں فرق پیدا کرتی ہے۔ بحیثیت انسان کے ایک کافر بھی اور ایک مومن بھی، ایک سرکش بھی اور ایک اطاعت گزار بھی، دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن بحیثیت بندگی کے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ عبادت کا مطالبہ صرف رکوع و سجود اور تسبیح و تہلیل تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اللہ کا مطالبہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ بھی اللہ کی اطاعت اور بندگی سے باہر نہ ہو اور وہ اللہ کی عین مرضی کے مطابق کام کرے، انفرادیت اور شخصیت ہی نہیں بلکہ اجتماعیت میں بھی انسان کی سیاست اور معاشرت کی گاڑی اسی کی اطاعت کی پٹڑی پر چلے۔

اس انفرادی اور اجتماعی عبادت کو بجالانے کے سلسلے میں جس سعی و جہد جس ذوق و شوق، جس عشق و محبت، جس وارفتگی اور جاں نثاری کا اظہار کسی شخص سے ہو گا، اسی قدر فضیلت کے ترازو میں اس کا وزن زیادہ نکلے گا۔

لیکن عبادت کو خالص اور زندگی کے ہر پہلو پر صبر و ثبات سے حاوی کرنے کے لیے جس چیز کی حقیقی ضرورت ہے وہ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر پورا ہونا اس کی رزاقی پر مکمل بھروسہ، اس کے عالم الغیب ہونے پر کامل یقین، اس کے رحیم و کریم ہونے پر اعلیٰ درجے کا توکل، اس کے مالکِ یوم الدین ہونے پر سچے دل سے پختہ یقین، اس کے احکام پر عمل کرنے کا انتہائی ذوق و شوق اور ان سے انحراف کرنے سے شدید خوف و ہراس، اس کی حرام کردہ چیزوں سے کلی اجتناب اور اس کے اوامر پر عمل کرنے کی بے انتہا سعی، اس کی پسند کو دل سے اپنی پسند سمجھنا اور اس کی ناپسند کو اپنی روح کی گہرائیوں سے ناپسند کرنا، اس کی وفاداری کے مقابلے میں دوسری تمام وفاداریوں کو ہیچ سمجھنا اور اس کی اطاعت کو تمام اطاعتوں پر حاوی کر دینا۔ غرض ایمان کی ان ٹھوس بنیادوں پر عمل کو استوار کرنا ہی حقیقی مسلم ہونا ہے۔ اللہ کے حکم کے تحت ہی کسی سے جڑ جانا اور اسی کے حکم کے تحت کسی سے کٹ جانا اور انسانی عمل کے ہر گوشے سے اس بات کا اظہار ہونا کہ اس کے دل و دماغ کے کسی کونے میں بھی غیر اللہ کی محبت اور اطاعت کا کوئی بت باقی نہیں رہا ہے۔ مسلم ہونے کی ان ضروری شرائط کے ساتھ جب اللہ کے ڈر اور خوف کا اضافہ ہو جائے کہ انسان ہر دم اس کے احکام پر عمل کرنے کے لیے کمر بستہ رہے۔ اس کے ہر فعل سے مکمل اطاعتِ الٰہی کا اظہار ہو، اس میں اللہ کے ہاں جواب دہی کا احساس ایک جیتا جاگتا جذبہ اور منہ بولتی حقیقت بن جائے۔ اس کی حس اتنی تیز ہو کہ وہ اللہ کے حکم سے خفیف سے خفیف غیر شعوری انحراف کو بھی اپنے نفس کی تہہ میں جانچ لے اور اسے وہیں ختم کر دینے پر آمادہ رہے۔ وہ پوری ذمہ داری سے اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لے اور ہر گھڑی محاسبہ کرے کہ اس کی کوئی حرکت منشائے الٰہی کے خلاف نہ ہو تو اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے اور اسی کیفیت میں اضافے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ اسی تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے معیار فضیلت قرار دیا ہے اور اسی کیفیت کو سند بزرگی عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی ناراضی سے بچو، جو اللہ کے غضب سے ڈرتا ہے وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔ پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے۔"

پھر فرمایا:

حضور ﷺ کے برپا کردہ اسلامی انقلاب کے پیشِ نظر صالح افراد کو چن چن کر اوپر لانا ضروری تھا تاکہ وہ دنیا میں اصلاح کریں، امن قائم کریں اور انسانوں کو انسانیت کا سبق دیں۔ تقویٰ کے اس معیار پر اگر ایک حبشی بھی پورا اترتا تھا تو وہی اوپر آنے کا حقدار قرار پاتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

"سنو! اگر تم پر نکٹا حبشی بھی امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا۔"

اسی معیار کے پیش نظر آپؐ نے کسی فاجر کی قیادت قبول کرنے سے منع فرما دیا:

"کوئی اُجڈ گنوار کسی مہاجر کا امام نہ بنے اور نہ کوئی فاجر شخص کسی پارسا مومن کا۔"

قرآن میں فرمایا:

"اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو محبوب رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھے گا، وہ ظالموں میں شمار ہو گا۔" (القرآن)

مزید فرمایا گیا:

"جو اپنے عہد کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں تو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

مزید فرمایا گیا:

"اے محمد! کہو، میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت،

میرا مرنا، میرا جینا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتا ہوں۔"

مالک نے مزید حکم دیا:

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔" (سورۃ البقرہ)

حضورﷺ کی معرفت ملنے والے یہ احکام انسان کو اس کے حقیقی معیارِ فضیلت سے آگاہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس معیار سے ہٹ کر اگر کوئی شخص یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ وہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی یا فلاں بزرگ سے اس کا رشتہ ہے اس لیے وہ اسے چھڑالیں گے تو اس قسم کا فالج زدہ تقویٰ شاید ہی اللہ کی میزانِ عدل میں کوئی وزن پا سکے۔ اصل تقویٰ تو وہی ہے کہ انسان کی زندگی کا اندر اور باہر ان حدود کے اندر رہے جو اللہ اور اس کے رسولﷺ نے مقرر فرما دی ہیں۔ اور ایسا ہی تقویٰ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو سکھایا تھا۔

چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے تقویٰ کا مفہوم پوچھا، انہوں نے فرمایا:

"امیر المومنین آپ کسی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہاں"

حضرت ابیؓ نے پوچھا: "آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "دامن کو سمیٹ کر اور بچا کر گزر جاتا ہوں۔"

حضرت ابیؓ نے فرمایا: "بس یہی تقویٰ ہے۔"

گویا تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچ بچ کر حدودِ شریعت کے اندر رہتا ہوا زندگی گزارے۔ اس طرح اسلام نے اپنے نئے معیارِ فضیلت پر جو سوسائٹی تعمیر کی، اس میں ایران کے سلمانؓ بھی تھے جو اپنے آپ کو ابن اسلام کہتے تھے اور جن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ ان میں باذانؓ بھی تھے جن کا نسب شاہانِ ایران سے جاملتا تھا۔ ان میں حبشہ کے بلالؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"بلالؓ ہمارے آقا کے غلام اور ہمارے آقا ہیں۔"

ان میں روم کے صہیبؓ بھی تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ امامت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ ان میں حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا:

"آج وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت کے لیے نامزد کرتا۔"

ان میں زیدؓ بن حارثہ ایک غلام بھی تھے جن سے رسول کریمﷺ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ بھی موجود تھے جنہیں رسول کریمﷺ نے ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے صحابہؓ کبار موجود تھے، جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ:

"اسامہ تجھ سے اور اس کا باپ تیرے باپ سے افضل ہے۔"

یہ تھا وہ معاشرہ جو إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کے اصول پر تعمیر ہوا تھا۔ اس اصول پر جب ایک اسٹیٹ وجود میں آئی تھی، تو اس کے کارکن، اس کے جج اس کے حاکم اور اس کے چپڑاسی تک بالکل مختلف نوعیت کے تھے۔ آج کا ایک بڑے سے بڑا جج بھی اپنے موجودہ اخلاق کے ساتھ اُس اسلامی عدالت کا کلرک اور چپڑاسی بننے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اسلام جانی بوجھی اچھائیوں اور نیکیوں کو معروف کا نام دے کر ان پر انسان کو اُکساتا ہے اور جو لوگ اس مقصد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں، انہیں بھلے آدمی اور متقی قرار دیتا ہے۔ اسی طرح وہ جانی بوجھی برائیوں کو منکر کا نام دے کر انسانوں کو ان سے روکتا ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بُرے لوگ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے۔ یہی وہ میزانِ فضیلت ہے جو اسلام نے زمانے کے سامنے پیش کی تاکہ بنی نوع انسان اس میں اپنے آپ کو تول سکیں۔ اسی میں تول کر وہ اپنے حاکموں اور نمائندوں کو مقرر کریں اور اسی میں تول کر وہ کسی کو معزز قرار دیں اور کسی کو گرا ہوا سمجھیں۔ یہ میزان ہی مساواتِ انسانی کی بہترین ضمانت ہے۔

اسلام نے یہ اصول ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا کہ دنیا کے امن اور فلاحِ انسانیت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اللہ سے ڈرنے والے اور آخرت میں جوابدہی کا پورا پورا احساس رکھنے والے لوگ سامنے آئیں۔ اور وہ لوگ پیچھے ہٹ کر رہیں جن کی ہوس کے سامنے فتنوں کے سارے دروازے کھلیں اور جن کے دماغ شیطان کا گھونسلا ہوں۔ حضورﷺ نے دنیا کو تباہی سے بچانے کی یہی عملی تدبیر پیش فرمائی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔

حضورﷺ کے اپنے قائم کردہ معاشرے میں عزت و ذلت اور فضیلت و مسکنت کے یہی پیمانے مقرر تھے اسی بدلے ہوئے معیار نے انسانیت کا معیار بدل ڈالا تھا اور لوگ معیارِ زندگی کی بجائے معیارِ اخلاق اور معیارِ انسانیت تلاش کرنے لگے تھے۔

(کتاب "رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب" سے انتخاب)

## بقیہ: اداریہ

پھینک دیتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے اکثر سیاست دان انتہائی کوتاہ نظر واقع ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آج کا دن خیر سے گزر جائے کل دیکھا جائے گا۔ حالانکہ کل کس نے دیکھا ہے۔ آخر میں ہم اپنی عدلیہ کی خدمت میں اسلامی تاریخ کا ایک سچا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے قاضی القضاۃ کے بیٹے نے اپنے باپ سے کہا کہ میرا ایک قوم سے لین دین کا تنازعہ ہے۔ میں سارا واقعہ آپ کو سنائے دیتا ہوں، اگر میں سچا ہوں تو میں کیس آپ کی عدالت میں دائر کر دیتا ہوں اور اگر آپ کی رائے میں میں غلط ہوں تو میں اُس قوم سے جھگڑنے کی بجائے مصالحت کر لیتا ہوں اور معاملہ ختم کر لیتا ہوں۔ باپ نے تمام واقعہ سن کر کہا کہ کیس میری عدالت میں لے آؤ۔ دونوں اطراف سے بیانات سننے اور عدل کے تمام تقاضے پورے کرنے بعد باپ نے اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ جب باپ بیٹا گھر واپس آرہے تھے تو راستے میں بیٹے نے کہا کہ ابا جان میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میرا مطالبہ ناجائز ہے تو کیس دائر کرنے کی بجائے فریق ثانی سے مصالحت کر لیتا ہوں، پھر آپ نے مجھے عدالت میں گھسیٹ کر ذلیل وخوار کیوں کیا۔ محترم جج صاحبان! باپ نے جو جواب دیا وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ باپ نے جواب دیا کہ تمہارا کیس گھر پر سنتے ہی میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ تم غلط ہو کیس میں نے عدالت میں لانے کے لیے اس لیے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ دوسری صورت میں میں اُن سے مصالحت کر لیتا ہوں۔ لین دین کے معاملے میں جب مصالحت ہوتی ہے تو حق پر ہونے والا فریق کچھ نہ کچھ اس خیال سے بھی چھوڑ دیتا ہے کہ عدالت میں جانے کی تکلیف اور تردد سے بچوں میں تمہارے مخالف فریق کو اُس کے اُس حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا جو اُسے مصالحت کی خاطر چھوڑنا پڑتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف وہ منصف ایسے فیصلے کر پاتا ہے، جسے یہ ادراک ہو کہ کل بڑی عدالت میں مجھے بھی کھڑا ہونا ہے۔ آخرت پر ایمان انسان کے ہر ہر عضو کو جکڑ دیتا ہے۔ آہ کاش! ہمارا اللہ رسول اور آخرت پر ایمان صرف نوک زبان پر نہ ہو بلکہ دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

# نبی کریم ﷺ بحیثیت قاضی و منصف

حافظ محمد مشتاق ربانی

جب ہم آپ ؐ کی عظیم شخصیت کو بحیثیت قاضی و منصف کے عنوان سے دیکھتے ہیں، تو اس میں دو الفاظ عدل وقسط کا بار بار ذکر ہوتا ہے۔ بظاہر ان دونوں کا معنی انصاف ہے لیکن ان میں باریک فرق ہے۔ عدل کے معنی ہیں کسی وزن یا شے کو دو برابر نصف حصوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ دونوں میں کسی ایک میں بھی ذرہ برابر کمی بیشی نہ رہے، یعنی ایک چیز کو دو آدمیوں میں برابر برابر تقسیم کرنا عدل ہے جبکہ قسط کے معنی کسی کے حقوق وواجبات کا پورا پورا ادا کرنا کے ہیں۔ قسط کے بارے میں:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی﴾ (النساء:3)

"اور اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ (حقوق و واجبات میں) یتیم لڑکیوں سے انصاف نہ کر سکو گے"

یعنی ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کر سکو، ان کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکو۔ یہاں دیکھیں کہ اس میں کسی دوسرے کے ساتھ تقابل نہیں کیا جا رہا بلکہ ان کے حقوق کو پورا کرنے کا مسئلہ ہے لیکن عدل کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء:129)

"اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔"

یہاں مختلف عورتوں میں برابر کے سلوک کا سوال ہے، اس لیے یہاں عدل استعمال ہوا ہے۔ نظام عدل وقسط اس قدر اہم ہے کہ یہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ یہ صرف نظام قضاء تک ہی محدود نہیں بلکہ معاشرتی، عائلی، معاشی اور سیاسی سبھی میدانوں پر محیط ہے، لیکن اس مضمون میں ہم صرف اختصار کے ساتھ آپ ؐ بحیثیت قاضی و منصف دیکھیں گے۔ لیکن اس سے پہلے مختصراً سمجھیے کہ عدل وقسط کے نظام کی تلاش کی انسانی تاریخ بہت قدیم ہے۔ انسان نے اس کے حصول میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس میدان میں کبھی وہ افراط کا شکار ہوا، اور کبھی تفریط کی راہ پر گامزن ہوا۔ ویسے بھی انسان خود اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتا تھا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی بابت راہنمائی نہ کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ (النحل:9)

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔"

چنانچہ وحی الٰہی سے انسان اس مسئلے کی دلدل سے نکلا جیسا کہ قرآن حکیم سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام اپنے اپنے عہد میں عدل وقسط پر انسانیت کو چلاتے رہے جو کہ ان کا حقیقی مقصد بعثت تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید:25)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

نبی کریم ﷺ بھی اسی لیے مبعوث ہوئے کہ نظام عدل وقسط قائم کریں۔ آنحضور ﷺ سے کہا گیا کہ آپ انہیں بتائیں کہ

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ﴾ (الشوریٰ:15)

"اور مجھے حکم ہوا کہ تم میں انصاف کروں۔"

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر وارد ہوا: ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ (الاعراف:29) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ؐ کی بعثت سے قبل زمانہ جاہلیت میں بدوی قبائل میں کوئی حکومت نہ تھی اور نہ کوئی عدالت تھی کہ جس کے پاس جا کر ہر تنازعہ کے حل کا سوال کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود اہل مکہ نے انتہائی محدود سطح پر عدل کی فراہمی کے لیے چند ایک کوششیں کیں جیسے عکاظ کے میلے میں حکم کا مقرر کرنا، یا ظلم وستم کی صورت میں حلف الفضول نامی تنظیم قائم کرنا لیکن اس عدل کی جامع شکل تب ابھری جب آپ ؐ کی معزز شخصیت سامنے آئی۔ آپ جانتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل بھی عربوں کے ہاں فیصلہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کے بارے میں سخت اختلاف پیدا ہوا تو آپ ؐ کے عادلانہ و منصفانہ فیصلہ سے ہی وہ بہت بڑی خونریزی سے محفوظ رہے۔ لیکن جب آپ ؐ پر نبوت کا ظہور ہوا تو آپ ؐ نے اس کے بعد نظام قضاء میں عدل وقسط کا ایک جامع نظام دیا۔ یہاں تک کہ اہل مدینہ کو آپ ؐ نے ایک تحریری دستور دیا اور وہاں آپ کی حیثیت ایک مستقل قاضی کے طور پر سامنے آئی۔ چنانچہ آپ ؐ کی پروقار شخصیت ایک ایسا ادارہ ثابت ہوئی جس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ گویا آپ سپریم کورٹ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جو رسول اللہ ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں وہ چھوڑ دو"۔ (الحشر:7) یاد رہے کہ آپ ؐ کی یہ حیثیت صرف اس دور تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح آپ ؐ کی رسالت ابدی ہے۔ اسی طرح آج بھی آپ ؐ کا فرمان اور حکم نہ صرف عدل وقسط میں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں اتھارٹی ہے، جس کو کسی صورت چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

قضا کے نقطہ نظر سے عدل وقسط کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کے مقدمات نمٹاتے ہوئے، جج یا قاضی ان کے حقوق عامہ کا اس طرح تحفظ کرے کہ کسی ایک فریق کی بھی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ حاکم ومحکوم، امیر وغریب، شریف ووضیع، کمزور وطاقتور، کالے وگورے، اور مسلم وغیر مسلم قانون کی نظر میں برابر ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، اور اللہ تعالیٰ کے لیے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا غریب تو اللہ تعالیٰ ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس پر چل کر عدل نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم ٹیڑھی شہادت دو یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔" (النساء:135)

آپ ؐ نے ہمیں عملی طور پر سمجھایا کہ فیصلہ کرتے ہوئے امیر وغریب کا خیال نہ رکھا جائے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قریش کی شاخ بنو مخزوم کی ایک معزز خاتون فاطمہ نے چوری کی، جس کا مقدمہ عدالت نبوی ﷺ میں پیش ہوا۔ لوگ چاہتے تھے کہ اس عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے تاکہ اس کی عزت پر کوئی حرف نہ

آئے۔ اس لیے لوگوں نے آپؐ کے محبوب خاص حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنھما کے ذریعے آپؐ کی عدالت میں سفارش کرائی۔ اس پر آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس پر بھی حد جاری کرتا۔''

اس واقعہ میں آپ نے دیکھا کہ اسلامی قانون میں کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں۔ بڑے سے بڑا شخص حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی قانون کا اسی طرح پابند ہے جس طرح ایک عام آدمی۔ یہاں تک کہ حاکم وقت کا قریبی عزیز ہو یا وہ حکمران خود مجرم ٹھہرتا ہو تو اسے بھی قانون کے مطابق سزا ملے گی۔

سنن ابی داؤد (کتاب الخراج) کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد صرف طائف کا قبیلہ ایسا تھا جس نے اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا مگر چند روز بعد بعض وجوہ کی بنا پر محاصرہ اٹھالیا۔ صخر کے ایک رئیس کو جب معلوم ہوا تو اس نے خود طائف کی حصار بندی کی اور انہیں مصالحت پر آمادہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ صخر نے ان کی پھوپھی کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے، آپؐ نے صخر کو بلا کر حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد بنو سلیم نے آ کر شکایت کی کہ اسلام لانے سے قبل صخر نے ان کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اب چونکہ وہ اسلام لا چکے ہیں لہٰذا ان کا چشمہ انہیں دلایا جائے۔ آپؐ نے صخر کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے۔ وہ اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اور آپؐ نے وہ چشمہ واپس دلا دیا۔ یاد رہے دونوں معاملات میں فیصلہ صخر کے خلاف ہوا حالانکہ فتح طائف کا سہرا انہی کے سر تھا۔ آنحضور ﷺ نے ان کی خدمات کی پرواہ کیے بغیر عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

آپؐ کے پیش کردہ نظام عدل و قسط کی اس قدر مثالیں ہیں کہ ان تمام مثالوں کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن سیرت رسول ﷺ کے اس باب کو پڑھ کر ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی اور آپؐ نے اپنے خلفاء کرام کو بھی اس کی بھرپور تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ وہ بھی عدل و قسط کے میدان میں عمدہ مثالیں قائم کرتے رہے۔ ابن عبد ربہ الاندلسی کی کتاب ''العقد الفرید'' میں جبلہ بن ایہم (شاہ غسان) کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ طواف کر رہا تھا کہ اس کے تہبند کا پلو ایک بدو کے پاؤں تلے آ گیا۔ اس نے اس پر اس بدو کے منہ پر مُکا دے مارا تو بدو نے اپنا یہ مقدمہ حضرت عمر فاروقؓ کی عدالت میں پیش کیا تو آپؓ نے اس کی قطعاً رعایت نہیں کی کہ تو مسلم ہے یا غسانی بادشاہ ہے اور آپؓ نے فیصلہ فرمایا:

((اما ان ترضیه واما ضربك كما ضربه))

''یا تم اس کو راضی کرو یا وہ تمہاری اس طرح پٹائی کرے گا جس طرح تم نے اسے مارا ہے''۔

یہ فیصلہ شاہ غسان پر ناگوار گزرا اور اس نے سوال کیا کہ بادشاہ اور گنواروں میں آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''لا قد جمع بينكما الاسلام'' بالکل نہیں! تم دونوں کو اسلام نے ایک ہی سطح پر اکٹھا کیا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں تو سمجھا تھا کہ اسلام لانے کے بعد مجھے جاہلیت کے مقابلہ میں زیادہ عزت دی جائے گی لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اسلام میں عزت کا معیار تقویٰ ہے اور قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ تم یا تو اس بدو کو راضی کرو، ورنہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' اس نے کہا مجھے ایک رات کی مہلت دی جائے۔ اسے مہلت دے دی گئی۔ مدینہ طیبہ میں اس واقعہ کا کافی چرچا ہوا۔ حضرت عمرؓ کے گھر کے سامنے بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے، بعض لوگ کہنے لگے، آپؓ اس معاملے میں زیادہ سخت نہ ہوں۔ ذرا نرمی اختیار کریں۔ آپؓ نے انہیں جواب دیا کہ اگر کسی شخص کی وجاہت کے اثر سے قانون کا پلڑا اس کے حق میں جھک جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور قیصر و کسریٰ کی ملوکیت میں کیا فرق ہوا۔ چنانچہ آپؓ ذرا نہ جھکے۔ اس دلچسپ واقعہ میں آپ نے دیکھا کہ آنحضور ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ بھی ﴿قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ یا ﴿قَآئِمِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ''انصاف پر قائم رہنے والے تھے۔'' وہ لوگوں کی ظاہری جاہ و جلال سے متاثر ہو کر انصاف کرنے سے باز نہیں رہتے تھے بلکہ ہر حالت میں عدل و انصاف کرتے۔

نبی کریمؐ نے جو عدالتی نظام دیا اس کی ایک خصوصیت، یہ ہے کہ اس میں غیر مسلم شہریوں کو ان کے حقوق کا پورا تحفظ دیا گیا۔ ان کی جان و مال، عزت و آبرو، عقیدہ و مذہب کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان کی کفالت کی بھی اسلامی ریاست ذمہ دار ٹھہری۔ کتاب الاموال میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے اہل نجران کو معاہدہ کے وقت صاف طور پر فرما دیا تھا کہ ان کے خالص مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

آپؐ نے جو عدالتی نظام دیا اس کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو مفت اور فوری انصاف دیا جائے۔ اسلام میں کورٹ فیس کے نام پر انصاف کا معاوضہ لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت میں رائج الوقت انداز میں ایسے وکیلوں کے ایسے ادارہ کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، جہاں معاوضہ لے کر ماہر قانون فریقین کو مشورہ دیں اور بھاری فیس وصول کریں۔

آپؐ کے دیے ہوئے نظام عدل و قسط میں قاضی فیصلہ کرنے میں بالکل آزاد ہوتا ہے۔ سربراہ مملکت یا حکومت کے کسی بااثر رکن کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدلیہ کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ پر مجبور کرے بلکہ وہ کسی مقدمہ کی دوبارہ سماعت پر بھی مجبور نہیں کر سکتا۔

اس میں مقننہ کی طرح عدلیہ بھی انتظامیہ سے بالکل آزاد ہوتی ہے۔ ججوں کا تقرر اگرچہ حکومت کرتی ہے لیکن جب جج یا قاضی ایک مرتبہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ گیا تو وہ حکومت کا پابند نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کا پابند ہے۔

آپؐ کے دیے ہوئے عدالتی نظام کے مطابق جن جرائم کی سزائیں کتاب و سنت کے اندر قطعی ہے، ان کے نفاذ کو سربراہ مملکت بھی نہیں روک سکتا۔ مثال کے طور پر قاتل کو اگر مقتول کے ورثاء نے معاف نہیں کیا اسے ہر صورت میں سزائے موت ہوگی۔ اسلامی ریاست میں کوئی سربراہ مملکت اس کی سزائے موت کو غیر مؤثر نہیں کر سکتا۔

آنحضور ﷺ کے دیے ہوئے عدل و قسط کے نظام کا اگر باریک بینی سے جائزہ لیں تو معلوم ہوتا کہ اسلام کا تصور عدل یہ ہے کہ محض اختتام تنازعات نہ ہوں بلکہ اس کا مقصد حق کی تلاش ہے۔ اس حق کی تلاش میں فریقین سے عہد نبویؐ میں چند غیر جانبدارانہ سوالات پوچھے جاتے، پوری تحقیق کی جاتی، اور فیصلہ نمٹاتے ہوئے زیادہ عرصہ نہ لگتا کیونکہ اس دور میں عدل ایک اہم دینی فریضہ سمجھا جاتا اور فریقین میں سے بھی ہر ایک صرف اپنے حق کی خاطر مقدمہ لڑتا اور اس کی کوشش ہوتی کہ ناجائز اور جھوٹا مقدمہ دائرہ نہ ہو۔

افسوس کی بات ہے کہ ہماری عدالتوں میں تنازعات کے حل کے لیے اتنے سال بیت جاتے ہیں کہ بعض لوگ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں لیکن ان کے مقدمات کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ فوری اور مفت انصاف فراہم کیا جائے اور مسلمان حکومتوں کو چاہیے کہ عدلیہ آزاد کریں۔ انہیں اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کروانے کا پابند نہ کریں۔

✿✿✿✿✿

# حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غیروں کی نظر میں

فرید اللہ مروت

مقام مصطفیٰ ﷺ وشانِ مصطفیٰ ﷺ وہ مقام ہے جس کی وسعت ورفعت کا اندازہ لگانا محال وناممکن ہے۔ بقول شاعر ؎

خدا کا حسن انتخاب انتخاب لاجواب

ہمارے نبی ﷺ کی شان و مقام مانگی تو ساری کائنات ہے، کیا حیاتات، کیا جمادات، کیا بحروبر، کیا شمس و قمر، کیا چرند پرند، کیا حور وملائک، کیا جن و بشر، کیا بہار و خزاں، کیا آسمان وزمین، کیا دوست ودشمن، کیا اپنے و پرائے، غرض کائنات کی ہر ہستی مقام مصطفیٰ ﷺ اور پیغمبر اسلام کی تہذیب، امانت داری، دیانت، اعلیٰ اخلاق اور مساوات کا اقرار کرتے ہیں مگر کائنات کی کوئی بھی ہستی یا کل کائنات بھی مل کر مکمل طور پر شان اور مقام مصطفیٰ ﷺ بیان دینے سے قاصر ہے۔ مسلمان تو اسے مانتے ہی ہیں لیکن غیر مسلم بھی محبوب خدا ﷺ کی عظمت وشان کو بیان کرتے ہیں۔

کفار مکہ سے لے کر آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد تک بے شمار غیر مسلموں نے زبانی، تحریری، شعری اور ہر انداز میں مقام مصطفیٰ ﷺ کے مقام کو تسلیم کیا ہے۔ ایک غیر مسلم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ۔

ہو جائے عشق اس میں چارہ تو نہیں
فقط مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں

مشرق ومغرب کے بڑے بڑے محقق، اصحاب فراست ولیاقت اور مفکرین نے اپنی تحریروں میں سرور کائنات ﷺ کے متعلق جو اعتراف حقیقت کیا، انہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔

ایک ہندو پروفیسر راما کرشنا راؤ آنحضرت ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

”آنحضرت ﷺ کے کُل تک تو پہنچنا مشکل ہے البتہ یہ محمدؐ جرنیل ہیں، یہ محمدؐ بادشاہ ہیں، سپہ سالار ہیں، تاجر ہیں، داعی ہیں، فلاسفر ہیں، مدبر ہیں، خطیب ہیں، مصلح ہیں، یتیموں کی پناہ گاہ ہیں، عورتوں کے نجات دہندہ ہیں، جج ہیں، ولی ہیں۔ یہ تمام اعلیٰ اور عظیم الشان کردار ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ ہر شعبہ زندگی کے لیے آپ کی حیثیت مثالی ہے۔“

فرانس کے عظیم جرنیل نپولین بونا پارٹ نے حضور کریم ﷺ کی ذات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

”محمد ﷺ در اصل سالار اعظم تھے۔ آپؐ نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات و مناقشات ختم کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا۔ 15 سال کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا۔ حیرت انگیز کارنامہ تھا آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا کہ یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصے میں ہو گیا۔ جبکہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پندرہ سو سال میں اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تھے۔ حضرت محمد ﷺ عظیم انسان تھے۔ جب آپؐ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہل عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ دنیا کی سطح پر دیگر قوموں نے جو عظمت وشہرت حاصل کی، اس قوم نے بھی اس طرح ابتلاء ومصائب کے دور سے گزر کر عظمت حاصل کی اور اس نے اپنی روح اور نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کر کے تقدس وپاکیزگی کا جوہر حاصل کیا۔“

**مسٹر ایڈورڈ موینے کہتے ہیں: ”آپؐ نے سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کے لیے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپؐ کو انسانیت کا محسن اوّل قرار دیتا ہے۔“**

یورپ کا مشہور عالم ٹامس کارلائل حضور ﷺ کی صداقت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔

”صحرائے عرب کی یہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا ”محمد ﷺ“ کے نام سے جانتی ہے، پاکیزہ روح، شفاف قلب وبلند نظری اور مقدس خیالات رکھتا تھا۔ جن کو خدا ہی نے حق وصداقت کی اشاعت کے لیے پیدا کیا۔ ہستی کا بھید ان پر کھل گیا تھا۔ آپ کا کلام خود خدا کی آواز تھا۔“

موہن چند کرم داس گاندھی آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں:

”اسلام نے تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کیا۔ جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا۔ ایک روشن ستارہ جس کی روشنی سے ظلمت کدے منور ہو گئے۔ اسلام دین باطل نہیں ہے، ہندوؤں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ جائیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام، دوست اور احباب سے یکساں محبت۔ آپ کی جرأت اور بے خوفی اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کی فتوحات میں بھی اوصاف حمیدہ شامل ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے مسلمان تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود پیش قدمی کرتے چلے گئے۔“

روسی فلاسفر کاؤنٹ ٹالسٹائی کہتا ہے:

”محمد ﷺ عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں، جنہوں نے اتحاد امت کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نور حق کی جانب ہدایت کی اور ان کو اتحاد، صلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا اور ان کے لیے ترقی وتہذیب کے راستے کھول دیے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فرد واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔“

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتا ہے:

”ہمیں بلاتکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ (تعلیم نبویؐ) نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے

لیے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھائے ہوئے تھے، بت پرستی نابود ہو گئی، توحید اور خدا کی بے پناہ رحمت کا تصور محمد ﷺ کے متبعین کے دلوں میں گہرائیوں اور زندگی کے اعماق میں جا گزیں ہو گئی، معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی۔ ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان و مروت جیسے جوہر نمودار ہو گئے۔ امتناع شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔"

جوزف جے نوٹن رقم طراز ہیں:

"حضرت محمد ﷺ کا مذہب مطلق العنان روس کے لیے بھی اتنا ہی موزوں ہے جتنا جمہوریت پسند متحدہ امریکہ کے لیے وہ مناسب و مفید ہے۔ اسلام ایک عالمگیر حکومت کی نشاندہی کرتا ہے اور اسلام کی کتاب قرآن کا موضوع، زندگی ہے اور اس میں پوری انسانی زندگی کو سمیٹ دیا گیا۔"

موتی لال نہرو کہتے ہیں:

"سچی توحید نے مسلمانوں کے اندر خوف و جرأت، بے باکی اور شجاعت و بسالت پیدا کر دی اور عزم و ارادوں میں پختگی اس درجہ پیدا کر دی کہ پہاڑوں کو اپنی بلندی اور مضبوطی ہیچ نظر آنے لگی۔ سمندروں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ توحید کی ایسی تعلیم آپؐ نے مسلمانوں کو دی جس سے ہر قسم کے توہمات کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں۔ ہر قسم کا خوف دلوں سے نکل گیا اور یہ سب کس کے سبب تھا۔ اس شخصیت کے جس کو مسلمانوں نے نبی آخر الزماں کہا اور دوسروں نے اس کو بنی نوع انسان کا ایک عظیم رہنما جانا۔"

مشہور فرانسیسی مورخ موسیو سیڈیو نبی کریم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"محمدؐ یوں تو محض امی تھے۔ مگر عقل و رائے میں یگانہ روزگار تھے۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اکثر خاموش رہتے۔ طبیعت کے حلیم، خلق کے نیک، اکثر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے۔ لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے۔ مساکین کو دوست رکھتے۔ کبھی فقیر کو فقر کے سبب سے حقیر نہ جانتے۔ نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہی کے سبب سے خوف کھاتے تھے۔"

جارج برنارڈ شاہ لکھتا ہے:

"میں نے رسول اکرم ﷺ کے دین کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپؐ عیسائیوں کے دشمن تھے۔ میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کی سوانح مبارک کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میری رائے میں آپ پورے بنی نوع انسان کے محافظ تھے۔"

ایس مارگولیتھ رقم طراز ہے:

"آنحضرت ﷺ کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے جانوروں پر بھی ظلم و ستم توڑنے کو بہت برا کہا ہے۔"

مسٹر ایڈورڈ مونٹے کہتے ہیں:

"آپؐ نے سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کے لیے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپ کو انسانیت کا محسن اول قرار دیتا ہے۔"

ڈاکٹر جی ویل نے حضور اکرم ﷺ کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

"بے شک حضرت محمد ﷺ نے گمراہوں کے لیے ایک بہترین راہ ہدایت قائم کی اور یقیناً آپؐ کی زندگی نہایت پاک صاف تھی۔ آپؐ کا لباس اور آپؐ کی غذا بہت سادہ تھی۔ آپؐ کے مزاج میں بالکل تمکنت نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے متبعین کو تعظیم و تکریم کے رسمی آداب سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ نے اپنے غلام سے بھی وہ خدمت نہ لی، جس کو آپؐ خود کر سکتے تھے۔ آپؐ بازار جا کر خود ضرورت کی چیزیں خریدتے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، خود بکریوں کا دودھ دوہتے اور ہر وقت ہر شخص سے ملنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ آپؐ بیماروں کی عیادت کرتے تھے اور ہر شخص سے مہربانی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپؐ کی خوش اخلاقی، فیاضی اور رحم دلی محدود نہ تھی۔ غرض آپ قوم کی اصلاح کی فکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ آپؐ کے پاس بے شمار تحائف آتے تھے لیکن بوقت وفات آپؐ نے صرف چند معمولی چیزیں چھوڑیں اور ان کو بھی مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے۔"

لیفٹیننٹ کرنل سالیکس کہتے ہیں:

"حضرت محمد ﷺ کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی، اخلاقی جرأت، نہایت خلوص نیت، سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر انہی صفات کے ساتھ استقلال و عزم و حق پسندی اور معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ نے اپنی سادگی، لطف و کرم اور اخلاق کو بلا خیال و مرتبہ قائم رکھا۔ اس کے علاوہ شروع سے آخر تک وہ اپنے آپ کو ایک بندۂ خدا اور پیغمبر خدا بتلاتے رہے، حالانکہ وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کر کے اس میں کامیاب ہو سکتے تھے۔"

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب "The Hundred" میں تاریخ کی 100 ایسی شخصیتوں کا ذکر کیا جنہوں نے دنیا میں انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس عیسائی نے 100 ہستیوں میں سب سے پہلے نمبر پر نبی آخر الزماں ﷺ کا مبارک تذکرہ کیا۔ وہ لکھتا ہے:

کہ میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے محمدؐ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے۔ کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں، اگر ان کے حالات پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن سے لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے کہ جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو پوری زندگی کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہستی محمدؐ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا۔ لہٰذا اس بات پر میرے دل نے چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سرانجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ عطا کرتا ہوں۔

ڈیمنڈ لیروگ آنحضرت ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

"نبی عربی ﷺ اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں۔ جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرۂ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اخوت تھی۔"

میرے دوستو!

جب کافر اپنی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے یقیناً انسانیت کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی ذات کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے جو کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم محبوب خداؐ کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل کریں تا کہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

# میاں صاحب زیادتی کر رہے ہیں

جاوید چودھری

میں نے کیلنڈر دیکھا، یہ 23 فروری کی خوبصورت صبح تھی، میں نے 23 فروری پر بھی سرخ پنسل سے دائرہ کھینچ دیا، آج کے اخبارات میاں نواز شریف کے خطاب کے ردعمل سے بھرے تھے۔ میاں نواز شریف نے جمعہ 20 فروری کو وکلاء کے ساتھ مل کر دھرنے کا اعلان کیا اور اس کے بعد 21 فروری کو پارٹی کی جنرل کونسل سے تاریخی خطاب کیا۔ میاں صاحب کے اس خطاب میں ذوالفقار علی بھٹو کی جھلک تھی۔ میاں صاحب جب یہ خطاب فرما رہے تھے تو اس وقت وہ میاں صاحب کی بجائے انقلابی لیڈر نظر آ رہے تھے۔ میں پچھلے ایک سال سے میاں صاحب کی سیاسی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا ہوں، وہ 18 فروری 2008ء سے محتاط کھیل رہے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا، میاں صاحب سمجھتے ہیں اگر انہوں نے سیاسی جلد بازی دکھائی یا وہ وفاقی حکومت کے لئے خطرہ بن گئے تو فوج اس موقع کا فائدہ اٹھالے گی۔ وہ آگے بڑھے گی اور ملک ایک بار پھر آٹھ دس سال کے لئے جمہوریت کی پٹڑی سے اتر جائے گا۔ چنانچہ وہ بڑی احتیاط سے سیاست کی شطرنج پر مہرے آگے پیچھے کر رہے تھے۔ میں محسوس کرتا رہا، میاں صاحب بڑی حد تک اپنی طبیعت کے خلاف چل رہے ہیں۔ لیکن پھر انہوں نے اچانک 20 اور 21 فروری کو اعلان جہاد کر کے ایک سال کی احتیاط کا کفارہ ادا کر دیا۔ وہ ایک ہی چھلانگ میں رنگ کے اندر آ گئے لیکن یہ واقعہ اگر 15 فروری سے پہلے پیش آیا ہوتا تو میں میاں نواز شریف کی اس بہادری پر تالیاں بجاتا، میں انہیں مبارکباد پیش کرتا اور اس تاریخی موڑ کو سچ کی جیت، اصولی موقف اور ملک میں عدل و انصاف کی بنیاد قرار دیتا۔ لیکن کیونکہ اب میری کایا پلٹ چکی ہے، میں نے جنونیت ترک کر دی ہے، میں مایوسی پھیلانے سے توبہ کر چکا ہوں اور میں نے اس ملک میں جمہوریت کو استحکام دینے کے لئے قلمی جہاد کا فیصلہ کر لیا ہے۔ چنانچہ مجھے میاں صاحب کے اعلان جہاد پر شدید افسوس ہوا اور میں پچھلے تین دن سے انتہائی غصے میں ہوں کیونکہ مجھے محسوس ہوتا ہے اگر میاں نواز شریف عدلیہ کی آزادی کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ سڑکوں پر آ گئے اور ان کی پارٹی نے وکلاء کے ساتھ مل کر دھرنا دے دیا تو پاکستان میں دو بڑی تبدیلیاں آ جائیں گی، معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری بحال ہو جائیں گے اور سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کا احتساب شروع ہو جائے گا اور یہ دونوں تبدیلیاں اس ملک کے لیے انتہائی خوفناک ثابت ہوں گی۔

آپ ذرا تصور کیجئے، افتخار محمد چودھری اگر بحال ہو گئے تو کیا ہوگا؟ عدالتیں سیاسی دباؤ سے آزاد ہو جائیں گی۔

> افتخار محمد چودھری اگر بحال ہو گئے تو کیا ہوگا؟ عدالتیں سیاسی دباؤ سے آزاد ہو جائیں گی۔ سپریم کورٹ، ہائی کورٹ اور سیشن اور سول کورٹس بھی شیر ہو جائیں گی اور عدالتیں اخبار کی سنگل کالم خبر پر سوموٹو ایکشن لے لیا کریں گی

سپریم کورٹ، ہائی کورٹ اور سیشن اور سول کورٹس بھی شیر ہو جائیں گی اور وہ بھی آزادانہ فیصلے شروع کر دیں گی۔ جج صاحبان صدر اور وزیراعظم سے لے کر ناظم تک اس ملک کے تمام بااختیار لوگوں کو طلب کرنا شروع کر دیں گے۔ جج سیاستدانوں کے خلاف فیصلے دیں گے۔ انصاف کا عمل تیز اور سستا ہو جائے گا۔ غریبوں، بے بسوں، بے کسوں اور مسکینوں کو انصاف ملنے لگے گا۔ عدالتیں اخبار کی سنگل کالم خبر پر سوموٹو ایکشن لے لیا کریں گی، جس کے نتیجے میں بیوروکریسی، پولیس اور پرائیویٹ اداروں کو اپنا قبلہ ٹھیک کرنا پڑ جائے گا۔ عدالتوں کی خود مختاری کی وجہ سے گوالے دودھ میں پانی نہیں ملا سکیں گے۔ دکاندار کم نہیں تول سکیں گے۔ ادویات بنانے والی کمپنیاں دواؤں کی من مانی قیمت وصول نہیں کر سکیں گی۔ ڈاکٹروں کی پرائیویٹ پریکٹس بند ہو جائے گی، ٹرانسپورٹر زیادہ کرائے وصول نہیں کر سکیں گے، حکومت 40 ڈالر بیرل پٹرول خرید کر 58 روپے لیٹر نہیں بیچ سکے گی۔ واپڈا بجلی اور گیس کے محکمے قدرتی گیس کے نرخ نہیں بڑھا سکیں گے۔ صدر اور وزیراعظم کے پروٹوکول کے لئے سڑکیں بند نہیں کی جا سکیں گی اور بانوے بانوے لوگوں کو وزارتیں پیش نہیں کی جا سکیں گی۔ چنانچہ آپ خود اندازا لگائیے، اس کے بعد ملک کا کیا حشر ہوگا؟ حکومت حکومت کیسے کرے گی؟ انتظامیہ عوام پر ظلم کیسے کر سکے گی؟ منافع خور منافع کیسے کما سکیں گے؟ رشوت خور رشوت کیسے لے سکیں گے؟ وزراء کرپشن کیسے کر سکیں گے اور عام آدمی اور خاص شہریوں میں فرق کیسے برقرار رہ سکے گا، لہٰذا میرا خیال ہے، یہ اس ملک کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ دوسرا نواز شریف کی تحریک سے سابق صدر جنرل پرویز مشرف کا ٹرائل شروع ہو جائے گا۔ وہ عدالت میں پیش ہوں گے اور وکلاء ان پر اقتدار پر قبضے، آئین توڑنے، سترہویں ترمیم، پاکستان میں امریکیوں کو غیر قانونی اور غیر آئینی سہولتیں دینے، لوگوں کو گھروں سے اٹھا کر امریکہ کے حوالے کرنے، لال مسجد اور مدرسہ حفصہ پر حملہ کرنے، ملک میں ایمرجنسی لگانے اور ججوں کو گھروں میں محصور کرنے جیسی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر جرح کریں گے، جس سے جنرل صاحب کو خفت بھی ہوگی اور یہ روایت بھی ٹوٹ جائے گی کہ پاکستان میں جرنیل قانون سے بالا ہیں اور کوئی طاقت ان کا احتساب نہیں کر سکی۔ میاں صاحب کی اس حرکت کے نتیجے میں ملکی تاریخ میں پہلی بار کسی سابق حکمران، کسی ریٹائرڈ جرنیل کا ٹرائل ہوگا۔ اسے سزا دی جائے گی اور یوں مارشل لاء کا سلسلہ رک جائے گا اور مستقبل میں جرنیل بھی حکومت پر قبضے سے پہلے سو سو بار سوچیں گے۔ اور عدالتیں بھی کسی آمر کو آئین میں تبدیلی کا اختیار دینے سے گھبرائیں گی اور یوں ملک سچی جمہوریت اور انصاف کی اصلی پٹڑی پر آ جائے گا۔ اور یہ اس ملک کے ساتھ بہت زیادتی ہوگی۔

میاں نواز شریف کی اس جسارت کے دو مزید نقصانات بھی ہوں گے۔ میاں نواز شریف کی کوشش سے اگر معزول جج بحال ہو گئے تو عدلیہ کو یہ پیغام ملے گا کہ اس ملک میں کلمہ حق کہنے والے لوگ خسارے میں نہیں رہتے۔ اس ملک میں جو شخص نیکی، اچھائی اور اصول کیلئے لڑتا ہے، قوم اسے کندھے پر اٹھا کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیتی ہے۔ چنانچہ مستقبل میں تمام سرکاری عہدے دار اصول کیلئے

عہدوں کی قربانی دے دیں گے اور اس کے نتیجے میں پورے ملک کا نظام بگڑ جائے گا۔ صدر کا سیکرٹری صدر کا غیر آئینی حکم نہیں مانے گا، وزیراعظم کا سٹاف ان کے غیر قانونی احکامات تسلیم نہیں کرے گا، وزیر کا عملہ قواعد کی خلاف ورزی سے انکار کر دے گا۔ ٹریفک پولیس کا اہلکار جرنیل کی گاڑی سے کالے شیشے اتروا دے گا۔ عدالتیں میجروں، کرنلوں اور بریگیڈیئروں کے خلاف فیصلے دینے لگیں گی۔ سیکرٹری صاحب کا حکم سیکشن افسر نہیں مانے گا اور پٹواری ڈی سی او کو "منتھلی" دینے سے انکار کر دے گا۔ چنانچہ پورے ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ میاں صاحب کی اس جسارت کا دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ عام شہری یا سول سوسائٹی کا دماغ خراب ہو جائے گا۔ کیونکہ جب افتخار محمد چودھری بحال ہوں گے اور جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کا ٹرائیل شروع ہو گا تو عام شہری کو پہلی بار اپنی طاقت کا احساس ہو گا۔ وہ جان لے گا، وہ اکیلا بھی اس ملک کا مقدر بدل سکتا ہے۔ وہ جان جائے گا اگر وہ سڑکوں پر نکل آیا تو وہ صدر آصف علی زرداری جیسے مضبوط شخص کو بھی اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور عام شہری کی یہ غلط فہمی مستقبل میں انتہائی خطرناک ثابت ہو گی۔ کیونکہ کل کو لوگ سوات میں فوجی آپریشن، فاٹا پر ڈرون حملوں، سترہویں ترمیم کے خاتمے، بجلی کی لوڈشیڈنگ، پٹرول اور گیس کے نرخوں میں اضافے، کابینہ میں وزراء کی تعداد، پروٹوکول، سیکیورٹی اور صحت، تعلیم اور صاف پانی کی دستیابی جیسے مسئلوں پر بھی سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ اور حکومت عوام کی بات سننے پر مجبور ہو جائے گی۔ اگر عام شہری کو غلط فہمی ہو گئی تو حکمران اپنے وعدوں سے پھر نہیں سکیں گے اور وہ مری ڈکلیریشن جیسے اعلانات کو سیاسی بیان بھی قرار نہیں دے سکیں گے۔ اور یوں اس ملک میں انارکی پھیل جائے گی۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں میاں نواز شریف نے دھرنے کا فیصلہ کر کے بڑی زیادتی کی۔ انہوں نے اس ملک کے قانون، آئین، ضابطے اور روایت کی توہین کی ہے اور اس توہین پر ان کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہو گی۔ میں سمجھتا ہوں اس معاملے میں صدر آصف علی زرداری کا موقف سو فیصد درست ہے۔ چنانچہ انہیں ڈرنے، گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے جیسے روشن خیال، اعتدال پسند، حقیقت شناس اور زمینی حقائق سے واقف کالم نگار اور پی ٹی وی کے تمام اینکرز پرسنز صدر صاحب کے ساتھ ہیں۔ یہ میدان میں ڈٹے رہیں، ان شاء اللہ ان کے دشمن منہ کی کھائیں گے اور آخری فتح انہیں ہی نصیب ہو گی۔

(بشکریہ روزنامہ "ایکسپریس")

✿✿✿✿✿

## بقیہ: خطاب جمعہ

ہمیں یہ موقع مل جائے گا کہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے رُخِ روشن پر جو دھبے آ گئے انہیں دھو کر اسلام کا اصل چہرہ دنیا کو دکھا سکیں۔ یعنی دورِ بنو امیہ، دورِ بنو عباس اور ترکوں کے عہد کی خلافت کی بجائے وہ خلافت قائم کریں، جو ایک طرف خلافت راشدہ کے نمونہ پر استوار ہو، دوسری جانب وہ اپنے اندر جدید دور کے تقاضوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ اس عظیم مشن کے لیے ہم نے یہ ملک بنایا تھا۔ مگر افسوس کہ تریسٹھ برس گزر جانے کے باوجود یہاں اسلام نافذ نہیں ہوا۔ وہی زمینداری اور جاگیرداری نظام اب تک چلا آتا ہے۔ وہی سودی معیشت ملک پر مسلط ہے۔ مغربی تہذیب کی یلغار سے دینی قدریں پامال ہوئیں اور بے پردگی، بے حیائی اور بے حجابی عام ہوئی ہے۔ پھر یہ کہ نفاذِ اسلام کے وعدہ سے انحراف کی وجہ سے قوم نفاق میں مبتلا ہو گئی ہے۔ جس کا مظہر یہ ہے کہ اخلاق کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت (غبن) جو منافقت کی علامات ہیں، ایسا دکھائی دیتا ہے، کہ ہمارے ہاں یہ لوگوں کے ماتھے پر لکھ دی گئی ہے۔ ہر جگہ یہ خرابیاں نظر آتی ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی ہم اپنی قوم کا جائزہ لیں تو یہ تکلیف دہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ جو شخص جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی زیادہ جھوٹا، خائن اور وعدہ خلاف ہے۔ اندازہ کیجیے، اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے صدر یہ کہہ رہے ہیں وعدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے کہ اُن کو ضرور پورا کیا جائے۔ خیانت کے حوالے سے دیکھیں، ہمارے ہاں اربوں روپے کے غبن ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہی دنوں یہ خبر آئی کہ گزشتہ پانچ سالوں میں سیاستدانوں اور بیوروکریٹس نے 42 ارب روپے کے قرضے معاف کرائے۔ نفاق کی ایک اور صورت نفاقِ باہمی ہے، جس کی بنا پر قوم صوبائی عصبیتوں میں مبتلا ہو کر قومیتوں میں بٹ چکی ہے۔ اسی بنا پر آج تک کالا باغ ڈیم نہیں بن سکا، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ ملکی معیشت کے لیے کس قدر ضروری ہے۔

اِن حالات کی سنگینی اور قوم کی غفلت کی بنا پر میں 2004ء سے پچھلے سال تک یہ کہتا رہا ہوں کہ ہماری قوم مر چکی ہے۔ اِس میں دینی اور دنیوی اعتبار سے جان نہیں رہی...... لیکن مایوسی کے اِن گھٹا ٹوپ اندھیروں میں 9 مارچ 2007 کو امید کی ایک کرن نمودار ہوئی، جب چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری نے آمرِ وقت کے جبر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اُن کی جرأت و استقامت دیکھ کر مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی! ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

(جاری ہے)


محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ
ناممکن ہے۔ آپؐ کی عظمت کا ایک نمایاں پہلو
آپؐ کا داعیِ انقلاب ہونا ہے، جسے اس کتاب میں اجاگر کیا گیا ہے

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ
کی ایک مختصر مگر جامع تالیف

☆ خوبصورت ٹائٹل ☆ صفحات: 60 ☆ قیمت: 30 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-5869501 (042)

## حلقہ وسطی پنجاب میں ہفتہ توبہ کی تفصیل

امیر حلقہ وسطی پنجاب انجینئر مختار فاروقی نے اپنے حلقہ میں عوام کو توبہ کی طرف راغب کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پروگرام ترتیب دیئے۔انہوں نے انگریزی مہینہ کا پہلا جمعہ 2 جنوری 2009ء کو شہر کی مرکزی جامع مسجد دھچی روڈ جھنگ میں پڑھایا اور مسلمانوں کے اجتماعی حالات کے پیش نظر توبہ کی ضرورت واہمیت اور حقیقت پر مفصل خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا وطن پاکستان اس وقت تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اس کی بقا اور سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہیں، مگر افسوس کہ ہم اپنے آپ کو بدلنے کے لیے تیار نہیں۔ہم کسی غیبی امداد کے منتظر ہیں کہ جس سے ملکی حالات ٹھیک ہوں۔ فاروقی صاحب نے مسائل کے حل کے لیے انفرادی اور اجتماعی توبہ کرنے پر زور دیا۔ 3 تا 14 جنوری کو مختلف مقامات اور مساجد میں جو خصوصی پروگرام ہوئے، اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- ☆ 3 جنوری کو دارالسکینہ روڈ میں ظفر اقبال کے گھر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔
- ☆ 5 جنوری بعد از نماز مغرب کیمبرج گرائمر سکول سول لائنز میں تقریب کا اہتمام کیا گیا۔
- ☆ 6 جنوری کو سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ میں حاجی محمد منظور انور کے گھر ایک تقریب منعقد کی گئی۔
- ☆ 8 جنوری کو بوقت ساڑھے دس بجے صبح مدرسۃ البنات سرکلر روڈ جھنگ سٹی میں حلقہ خواتین میں تقریب کا اہتمام کیا گیا۔
- ☆ 9 جنوری کو جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں مفتی عطاء الرحمٰن نے خطبہ جمعہ دیا۔
- ☆ 13 جنوری کو بعد از نماز عشاء جامع مسجد عبداللہ محلہ سلطان والا میں ایک دعوتی پروگرام ہوا۔
- ☆ 14 جنوری کو مسجد بلال کالج روڈ جھنگ میں بعد نماز مغرب ایک پروگرام منعقد ہوا۔

ان پروگراموں میں سورۃ النساء کی آیات 18,17 اور سورۃ التوبہ کی چند آیات کا ترجمہ وتفسیر بیان کی گئی اور واضح کیا گیا کہ زمین میں فساد وبگاڑ کا ہونا انسانوں کے بُرے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے احکامات اور پیغمبر خدا ﷺ کے فرمودات سے پہلوتہی کے نتیجہ میں سابقہ اقوام پر عذاب الٰہی مختلف صورتوں میں آتے رہے ہیں۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ مسلمانان عالم اور بالخصوص مسلمانان پاکستان بے شمار مصائب وآلام اور طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار ہیں جن سے عوام وخواص بے خبر نہیں ہیں۔ ان مشکلات سے نکلنے کے لیے ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر خود کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لے کر ہر اس کام کو ترک کرنا ہوگا جو اللہ اور رسول ﷺ کی منشاء کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی۔ اس کی صورت یہی ہے کہ ہم اللہ کے دربار میں توبہ کریں۔ توبہ کیا ہے؟ علماء کرام نے توبہ کی چند شرائط بیان کی ہیں۔ اگر ان شرائط کے مطابق انسان خود کو بدل لے تو اس سے اخلاقی، معاشرتی، معاشی زندگی تبدیلی ہوسکتی ہے۔ توبہ کی شرائط میں پہلی بات یہ ہے کہ دل میں غلطی کا احساس اور ندامت ہو۔ دوسرے یہ کہ فوری طور پر اس معصیت کو مکمل ترک کر دیا جائے اور تیسرے یہ کہ آدمی دل میں پختہ عزم کرے کہ آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی ہوئی ہے تو اس صورت میں ان تین شرائط کے علاوہ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کا حق دبایا ہے اس کو اس کا حق واپس کردے یا معاف کرالے۔ ان شرائط کے بغیر محض کانوں کو ہاتھ لگانے یا زبان سے توبہ، توبہ کا ورد کرنے سے توبہ نہیں ہوتی۔

14 جنوری 2009ء کو مرکز سے جو سامان موصول ہوا اُسے تینوں اضلاع میں تقسیم کیا گیا۔

لیہ شہر میں علماء کرام کی خدمت میں امیر محترم حافظ عاکف سعید مدظلہ کے خط کی فوٹو کاپیاں پہنچائی گئیں۔ اکثر علماء کرام نے ہماری درخواست کے مطابق خطاب جمعہ میں توبہ کی اہمیت پر اظہار خیال کیا۔

"ہفتہ توبہ" کے سلسلے میں ایک تقریب مقامی تنظیم جھنگ کے دفتر محلہ سلطان والا میں منعقد ہوئی۔ جس میں امیر مقامی تنظیم جناب عبدالمجید کھوکھر نے نقباء، رفقاء اور احباب سے اجتماعی توبہ کے حوالے سے گفتگو کی۔

مزید برآں اس ہفتہ میں امیر حلقہ وسطی پنجاب انجینئر مختار فاروقی نے اپنے روزانہ کے دروس قرآن میں اور خطاب جمعہ میں بھی توبہ کے حوالے سے خصوصی گفتگو کی۔ انہوں نے اپنے ہر درس قرآن میں انفرادی اور اجتماعی توبہ کی طرف توجہ دلائی۔

حلقہ وسطی پنجاب کے دوسرے ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بھی مقامی تنظیم کے زیر نگرانی ہفتہ توبہ کا بھرپور آغاز ہوا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجرہ، پیرمحل میں بینرز اور پول ہینگرز لگائے گئے۔ دوکانات، پبلک مقامات اور مساجد میں پلے کارڈ لٹکائے گئے۔ امیر مقامی تنظیم روزانہ کسی مسجد میں نماز کے بعد توبہ کے موضوع پر خطاب کرتے، رفقائے تنظیم مسجد کے گیٹ پر کھڑے ہو کر ہینڈ بلز تقسیم کرتے۔ امیر محترم کے خط کی نقول شہر بھر کے علماء کرام کو پہنچائی گئیں۔ اکثر علماء نے اس کے مطابق خطاب جمعہ میں توبہ کی اہمیت پر اظہار خیال کیا۔

16 جنوری کو امیر حلقہ انجینئر مختار فاروقی نے جامع مسجد برہان ٹوبہ ٹیک سنگھ میں خطبہ جمعہ دیا۔ انہوں نے توبہ کے موضوع پر مفصل تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ ذرا غور کیجیے، صحابہ کرام تو چند ہزار نفوس قدسیہ تھے۔ انہوں نے بہت زیادہ بھی امت کو چند لاکھ پر قیاس کیا ہوگا۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کرسکتے ہوں گے کہ وہ وقت بھی آئے گا جب اس امت کی تعداد ڈیڑھ ارب کے قریب ہوگی، پھر بھی دنیا میں بے بس، لاچار، کمزور اور مظلوم ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ انسان جب دنیا پرستی میں پڑ جائے تو موت کے تصور سے بھی گھبراتا ہے۔ ہر صورت میں موت سے بچنا اور اس سے بھاگنا اس کا دین وایمان بن جاتا ہے۔ ایک آدمی جتنا زیادہ دنیا کے اندر پیوست ہوگا اتنا ہی موت اسے مشکل نظر آئے گی۔ وہ کبھی بھی موت کو خوش آمدید نہیں کہے گا۔ اس تمام صورتحال کا علاج توبہ ہے۔ توبہ ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ کی جانب پلٹنا ہے۔

20 جنوری کو نائب ناظم اعلیٰ وسطی پاکستان پروفیسر خلیل الرحمٰن اور امیر حلقہ انجینئر مختار فاروقی نے نیشنل کالج آف کامرس اور گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج ٹوبہ ٹیک سنگھ کے طلبہ اور اساتذہ سے توبہ کے موضوع پر مفصل خطابات کیے۔ اسی دن بعد از نماز مغرب گریس ہوٹل میں شہر کے معززین کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں امیر حلقہ نے توبہ کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ بات شعوری طور پر دل ودماغ میں بیٹھا لینی چاہیے کہ ہماری ترقی اور عظمت کی بحالی کا راز قرآن حکیم کی پیروی میں ہے۔ ہماری ترقی اور عروج واقبال ہرگز مغرب کی اندھی تقلید میں نہیں ہے۔ ہم محمد عربی ﷺ کے غلام ہیں۔ ہماری سربلندی ایمان کی شاہراہ کو اختیار کرنے میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم انفرادی طور پر اپنے کردار کو جھوٹ، بدعہدی، خیانت اور مشتعل مزاجی سمیت جملہ رذائل اخلاق سے پاک کریں، پوری شریعت پر عمل پیرا ہوں اور اپنے ماحول میں بھی توبہ کی منادی کریں۔

حلقہ کے تیسرے ضلع لیہ میں بھی ہفتہ توبہ کے سلسلے میں پروگرام بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد کیے گئے۔ امیر مقامی تنظیم چودھری صادق علی نے مرکز کی طرف سے بھیجے گئے "توبہ کی منادی" کے پول، ہینگرز اور بینرز پورے شہر میں لگائے گئے۔ صدر بازار لیہ کے دوکانداروں میں ہینڈ بل تقسیم کیے گئے۔ چودھری صادق علی نے ہفتہ توبہ کے افتتاح پر

جامع مسجد ہاؤسنگ کالونی میں خطبہ جمعہ دیا، جس میں ”قوموں پر عذاب کے اسباب“ کے موضوع پر خطاب کیا۔ 23 جنوری بروز جمعۃ المبارک اُن کی خصوصی دعوت پر امیر حلقہ محترم مختار فاروقی اور نائب ناظم اعلیٰ وسطی پاکستان پروفیسر خلیل الرحمٰن لیہ تشریف لے گئے اور شہر کی دو مختلف مساجد میں توبہ کے موضوع پر بھرپور خطابات دیئے۔ امیر حلقہ انجینئر مختار فاروقی نے واضح کیا کہ ہمارے حالات میں تبدیلی تب آئے گی جب اجتماعی سطح پر مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں سچی توبہ کریں۔ یہی اصل کامیابی ہے، ورنہ دجالی دور میں اپنا ایمان بچانا انتہائی مشکل ہے۔ آج ہمیں دجالی تہذیب کا سامنا ہے۔ ابلیسی قوتیں باہم مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ دشمن کے مقابلے کے لیے ہمیں اللہ کی مدد درکار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی جانب رجوع کریں، اسی کو مدد کے لیے پکاریں۔ وہ ہماری پکار کا جواب دے گا، اور ہماری دعائیں قبول فرمائے گا۔ پروفیسر خلیل الرحمٰن نے اپنے خطاب جمعہ میں واضح کیا کہ عالم کفر پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر چکا ہے۔ ہمارے حکمران اور مراعات یافتہ طبقہ اقتدار کے نشے میں مست ہے۔ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے عوام ایک دوسرے کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ ہم نے قیام پاکستان کے وقت اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ تو ہمیں ایک قطعہ ارضی عطا فرما، ہم اس میں تیرا دین نافذ کریں گے، مگر ہم اپنے وعدہ سے منحرف ہو گئے۔ ہم نے ابلیسی تہذیب اور سودی معیشت اپنا کر گویا اللہ سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اللہ کی جناب میں سچی توبہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کو نبھانے کا عزم کریں اور انفرادی اور اجتماعی توبہ کریں۔

اتوار 25 جنوری ذکریا اکیڈمی کالج میں طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ نشست میں ”اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ضابطہ اور اس سے بچاؤ کی صورت: توبہ“ کے موضوع پر مفصل خطاب ہوا۔

شہر کی مساجد کے علماء کرام تک امیر تنظیم اسلامی پاکستان کے خط کی فوٹو کاپیاں پہنچائی گئیں اور درخواست کی گئی کہ وہ اپنے خطاب جمعہ میں ”توبوا الی اللہ“ کو موضوع سخن بنائیں۔ چنانچہ کئی مساجد میں اسی موضوع پر خطاب بھی ہوا اور اس مہم کی تعریف بھی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو قبول فرمائے اور جن حضرات نے ان میں حصہ لیا، انہیں اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)

(رپورٹ: رفیق تنظیم)

## تنظیم اسلامی ٹوبہ ٹیک سنگھ میں توبہ کی منادی

22 جنوری 2009ء کو تنظیم اسلامی ٹوبہ میں اجتماعی توبہ کے سلسلہ میں ایک نہایت کامیاب پروگرام ہوا۔ اس پروگرام میں امیر حلقہ پنجاب وسطی مختار حسین فاروقی نے پاکستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر توبہ واستغفار کی ضرورت واہمیت کے موضوع پر بعد نماز مغرب خطاب کیا۔ اِس میں رفقائے تنظیم اسلامی ٹوبہ کے علاوہ دور دراز کے علاقہ سے آئے لوگوں نے شرکت کی۔ اگلی صبح نو بجے فاروقی صاحب نے نیشنل کالج میں خطاب کیا اور اسی دن بعد از نماز ظہر انہوں نے گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج ٹوبہ میں اِسی موضوع پر طلبہ سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا، مگر یہاں اسلامی نظام نافذ نہ کر کے ہم اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر ایسے حکمران مسلط کر دیے گئے ہیں جو لادینیت اور ظالمانہ نظام کے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہفتہ توبہ کے دوران مقامی امیر تنظیم اسلامی حافظ محمد نواز مختلف مساجد میں بعد نماز فجر توبہ واستغفار کے موضوع پر خطاب کرتے رہے، اور نقیب اسرہ حافظ محمد شفیق نے عوامی جگہوں پر پمفلٹ تقسیم کیے۔ پورے شہر میں بینرز اور پول ہینگر بھی لگائے گئے۔ اِس طرح لوگوں میں تنظیم اسلامی کا تعارف ہوا۔ بہت سے لوگوں نے فون کے ذریعے تنظیم کے منشور کے بارے میں دریافت کیا۔

(رپورٹ: حافظ اصغر علی)

**پریس ریلیز**

## نفاذِ شریعت کے مطالبہ کو جبراً دبانے کی پالیسی ختم کی جائے

مجلس مشاورت اسلامی کا ماہانہ اجلاس گزشتہ روز تنظیم اسلامی کے مرکز گڑھی شاہو، میں منعقد ہوا، جس میں دس دینی جماعتوں کے اکابر و نمائندگان نے شرکت کی۔ میزبان جماعت تنظیم اسلامی کے علاوہ دیگر جماعتوں کے نام حسب ذیل ہیں:

جمعیت علماء اسلام، جمعیت اہل حدیث سپریم کونسل، تحریک امارت شرعیہ، سپاہ صحابہ، تحریک عظمت اسلام، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، تحریک نظام خلافت راشدہ، تحریک احیاء خلافت اور تحریک فکر فلاح انسانیت۔

اجلاس میں تین اُمور پر مشورہ ہوا اور درج ذیل مؤقف پر اتفاق پایا گیا۔

ا) ملک میں سرگرم عمل ان تمام دینی سیاسی جماعتوں کو جو موجودہ پارلیمنٹ کا حصہ ہیں، یہ مشورہ دیا جائے کہ پاکستان کے آئین میں اسلام کی عملی بالادستی کی جدوجہد تیز کرنے کی خاطر دینی جماعتوں کی طرف سے اٹھارویں ترمیم کا متفقہ بل فی الفور سامنے لایا جائے، جس کے لیے 1951ء میں پاکستان کے تمام دینی مکاتب فکر کے 31 چوٹی کے علماء کے مرتب کردہ 22 نکات کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے مجلس مشاورت اسلامی نے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جو کہ اس ضمن میں دستوری مسودہ تیار کر کے دینی سیاسی جماعتوں کو پہنچانے کا اہتمام کرے گی۔

ب) عوام وخواص میں اسلامی نظام یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی ضرورت واہمیت کو اُجاگر کرنے کی خاطر نظام خلافت کے اُخروی فوائد کے ساتھ ساتھ دنیاوی برکات کو عام کرنے کے لیے مختلف مشترکہ پروگراموں کا انعقاد کیا جائے۔ نیز مجلس مشاورت اسلامی کی کارروائیوں وکارکردگی کو میڈیا میں لانے پر بھی اتفاق ہوا۔

ج) موجودہ ملکی حالات خصوصاً سوات، باجوڑ ووزیرستان کے حوالے سے پارلیمنٹ میں پاس شدہ اس قرارداد پر عمل کیا جائے جس میں ان علاقوں میں فوجی کارروائی بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح اسلامی ممالک سے غیر مسلم افواج کی واپسی کو یقینی بنایا جائے۔ علاوہ ازیں ملک میں شریعت کے نفاذ کے مطالبہ کو جبراً دبانے کی پالیسی ختم کر کے اس جائز مطالبہ پر عملدرآمد کی راہ نکالی جائے۔ مزید برآں شریعت کا مطالبہ کرنے والی تمام جماعتوں سے بھی یہ گزارش ہے کہ حالیہ پروپیگنڈہ جنگ میں اُن کی طرف منسوب کیے گئے، منفی واقعات کی پُرزور تردید آنی چاہیے تاکہ سیکولر طبقات کے منفی پروپیگنڈے کا توڑ اور دینی قوتوں کا برملا اور مضبوط دفاع کیا جائے سکے۔

قاضی ظفر الحق
کنوینر و رابطہ سیکرٹری
مجلس مشاورت اسلامی

## دعائے مغفرت کی اپیل

☆ ڈیرہ غازی خان کے منفرد رفیق عمیر نواز خان کے والد وفات پا گئے
☆ تنظیم اسلامی ملتان شمالی کے رفیق شکیل اسلم کے والد انتقال کر گئے
☆ حلقہ کراچی جنوبی کے ناظم مکتبہ ریاض الاسلام فاروقی کے چچا انتقال کر گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

# ادارہ تحفظ القرآن

## حرا ہائی سکول لاہور

### وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سے الحاق شدہ

**محدود نشستوں پر طلباء وطالبات کے لئے داخلے جاری ہیں**

* ماہر اساتذہ کرام کی زیر نگرانی
* حفظ کے ساتھ ساتھ سکولنگ اور کمپیوٹر ایجوکیشن کا اہتمام
* ہم نصابی سرگرمیاں، سمعی وبصری معاونت، عملی تربیتی پروگرام
* طلباء وطالبات کے لئے علیحدہ علیحدہ کلاسز
* کارپیٹڈ اور ائیر کنڈیشنڈ کلاسز
* شخصیت سازی پر خصوصی توجہ
* ٹرانسپورٹ کا مناسب انتظام

**ذہین اور مستحق طلبہ وطالبات کیلئے خصوصی رعایت**

---

شعبہ طلباء: 152، ڈی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون: 042-8563796

شعبہ طالبات: 152 ڈی II بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون: 042-8505567